نصاب اسلامیات لازمی

برائے

میڈیکل، ڈینٹل، جملہ BS، الائیڈ ہیلتھ سائنسز پروگرامز

خیبر میڈیکل یونیورسٹی

زیرسرپرستی:

پروفیسر ڈاکٹر ضیاء الحق

وائس چانسلر خیبر میڈیکل یونیورسٹی، پشاور

زیرنگرانی:

پروفیسر ڈاکٹر محمد حفیظ اللہ خان

کنوینر نصاب کمیٹی برائے اسلامیات لازمی

سابق وائس چانسلر خیبر میڈیکل یونیورسٹی، پشاور

سب کمیٹی (Sub Committee)

پروفیسر ڈاکٹر رشید احمد

(کنوینر)

پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبدالغفور	پروفیسر ڈاکٹر محمد زاہد	قاری روح اللہ مدنی	ڈاکٹر قاضی عبدالمنان
(ممبر)	(ممبر)	(ممبر)	(ممبر)

پینل ممبران:

۱۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد حفیظ اللہ خان، کنوینر نصاب کمیٹی وسابق وائس چانسلر خیبر میڈیکل یونیورسٹی پشاور

۲۔ پروفیسر ڈاکٹر فردوس کوثر، رفاہ یونیورسٹی، اسلام آباد

۳۔ پروفیسر ڈاکٹر ناصر الدین اعظم خان، سابق پرنسپل خیبر میڈیکل کالج، پشاور

۴۔ پروفیسر ڈاکٹر سلطان محمود، سابق پرنسپل خیبر میڈیکل کالج، پشاور

۵۔ جناب قاری روح اللہ مدنی، سابق چیف خطیب، صوبہ خیبر پختونخواہ، پشاور

۶۔ پروفیسر ڈاکٹر فرحت معظم، ڈائریکٹر CBEC، سندھ انسٹیٹیوٹ آف یورالوجی اینڈ ٹرانسپلانٹ، کراچی

۷۔ پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبدالغفور، سابق پروفیسر انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اینڈ عربیک سٹڈی، یونیورسٹی آف پشاور

۸۔ پروفیسر ڈاکٹر نجیب الحق، سابق پرنسپل پشاور میڈیکل کالج، ورسک روڈ، پشاور

۹۔ پروفیسر ڈاکٹر رشید احمد، شیخ زید اسلامک سنٹر، پشاور یونیورسٹی، پشاور

۱۰۔ ڈاکٹر تسلیم اختر، سابق ریسرچ کنسلٹنٹ اینڈ انچارج آر اینڈ ڈی، کے ایم یو، کوآرڈینیٹر برائے تیاری اسلامی نصاب

مصنفین کمیٹی:

۱۔ پروفیسر ڈاکٹر رشید احمد (کنوینر) ڈائریکٹر شیخ زید اسلامک سنٹر، پشاور یونیورسٹی، پشاور

۲۔ پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبدالغفور، ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ اسلامک اینڈ پاک سٹڈیز، رحمان میڈیکل کالج، پشاور

۳۔ جناب قاری روح اللہ مدنی، سابق چیف خطیب، صوبہ خیبر پختونخواہ، پشاور

۴۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد زاہد، خیبر میڈیکل کالج، پشاور

۵۔ ڈاکٹر قاضی عبدالمنان، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات، قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی حیات آباد، پشاور اینڈ وزیٹنگ فیکلٹی خیبر میڈیکل یونیورسٹی، پشاور

نظر ثانی:

۱۔ پروفیسر ڈاکٹر خالد مسعود، سابق چیئر مین اسلامی نظریاتی کونسل، حکومت پاکستان

۲۔ پروفیسر ڈاکٹر محسن نقوی، سابق ممبر اسلامی نظریاتی کونسل، حکومت پاکستان

۳۔ پروفیسر ڈاکٹر سراج الدین احمد خان، پروفیسر ایمریٹس سابق پرنسپل خیبر میڈیکل کالج، پشاور

۴۔ ڈاکٹر سید حامد حبیب، ایسوسی ایٹ پروفیسر خیبر میڈیکل یونیورسٹی، پشاور

معاونین:

۱۔ محمد اسلام۔ ایڈیشنل ڈائریکٹر اکیڈیمک خیبر میڈیکل یونیورسٹی، پشاور

۲۔ ساحر عتیق۔ ڈپٹی ڈائریکٹر اکیڈیمک خیبر میڈیکل یونیورسٹی، پشاور

۳۔ فواد احمد۔ ڈپٹی ڈائریکٹر اکیڈیمک خیبر میڈیکل یونیورسٹی، پشاور

پیش لفظ

معاشرتی زندگی میں ڈاکٹر وطبی عملہ (ہیلتھ کیئر ورکر) انتہائی اہم اور اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔جنس، مذہب، نسل، علاقے اور سماجی مرتبے سے بالاتر ہوکر مریضوں کا علاج معالجہ کرنا ڈاکٹروں کے بنیادی فرائض میں شامل ہیں۔جب ڈاکٹر کے طب کے مقدس اور پیغمبرانہ پیشے سے منسلک ہوتے ہیں تو وہ حلف اٹھا کر اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ دکھی انسانیت کی خدمت اور علاج ان کی زندگی کا نصب العین ہوگا۔چونکہ ہم ایک اسلامی معاشرے بالخصوص ایک اسلامی نظریاتی مملکت کے شہری ہیں لہذا اس حیثیت میں ہمیں دہری ذمہ داریاں نبھانی پڑتی ہیں۔ ایک ذمہ داری اپنے پیشے کے حوالے سے جبکہ دوسری مسلم معاشرے کی ایک ذمہ دار شہری کی حیثیت سے۔ایک اسلامی نظریاتی مملکت میں ویسے تو ہر شہری کو اسلام کی بنیادی تعلیمات،عقائد اور اخلاقی اوصاف سے بہرہ مند ہونا چاہیے لیکن معاشرے سے پڑھے لکھے طبقے اور افراد سے ممتاز اور نمایاں ہونا چاہیے۔اس مقصد کے حصول کے لئے ہمیں اپنے نوجوان ڈاکٹروں کی پیشہ وارانہ مہارتوں میں اضافے کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی تعلیم وتربیت پر بھی خصوصی توجہ دینا ہوگی۔

اس سلسلے میں ہمارا طبی نصاب انتہائی اہم اور بنیادی کردار ادا کرسکتا ہے۔ ہمارا موجودہ طبی نصاب پچاس سال پرانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نصاب کو پڑھ کر ہمارے نوجوان اگر ایک طرف تعلیم وتحقیق کے جدید تقاضے سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں تو دوسری جانب وہ ان بنیادی اخلاقی اوصاف سے بھی محروم رہتے ہیں جو پیشہ طب سے وابستہ ہر فرد کے لئے ناگزیر ہیں۔طبی تعلیمی نصاب میں اصلاحات کے ذریعے نہ صرف زیر بحث کی تشخیص کی جاسکتی ہے بلکہ اس کے ذریعے ایسے خطرناک مرض کا علاج بھی ممکن ہے۔ ہمارے ہاں پیشہ وارانہ مہارت کے حوالے سے اچھے معالجین اور ماہرین طب کی تو یقیناً کمی نہیں ہے البتہ ہمارے ہاں ایسے ماہرین طب کی کمی شدت سے محسوس کی جاتی ہے جو بہترین معالجین ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین اخلاق،غم خواری اور اخلاص کے سچے جذبات سے بھی معمور ہو۔ڈاکٹروں کی پیشہ وارانہ غفلت کا ذکر جب بھی آتا ہے تو اس موقع پر عموماً یہ دلیل دی جاتی ہے کہ ڈاکٹر بھی چونکہ اس معاشرے کا حصہ ہے لہذا جیسا معاشرہ ہوگا ڈاکٹروں کی اکثریت بھی ویسی ہی ہوگی۔اس لئے ہمیں ڈاکٹروں کو معاشرے سے الگ کرکے نہیں دیکھنا چاہیے۔اس دلیل میں اگرچہ کافی وزن ہے لیکن اگر تھوڑی کوشش کی جائے تو نہ صرف اس مسئلے پر قابو پایا جاسکتا ہے بلکہ اس کا تدارک بھی ممکن ہے۔اس ضمن میں ہمیں طبی نصاب میں پیشہ وارانہ مہارتوں، جدید رجحانات اور نت نئے تجربات کے ساتھ ساتھ ایسا مواد بھی شامل

کرنا چاہیے جس کے ذریعے ہم اپنے نوجوان ڈاکٹروں میں وہ اوصاف پیدا کرسکیں جو ایک مسلمان ڈاکٹر (معالج) کے شایان شان ہوں۔

اسی احساس کے تحت وطن عزیز میں سب سے پہلے 2012ء میں خیبر میڈیکل یونیورسٹی پشاور نے نصاب میں طبی ضابطہ اخلاق کو بطور مضمون شامل کرتے ہوئے اسلامیات کے روایتی نصاب کے بجائے ایک نیا نصاب متعارف کروانے کا فیصلہ کیا جو نہ صرف قرآن وسنت کی بنیادی تعلیمات پر مشتمل ہے بلکہ اس میں طبی اصول وضوابط ،اسلام میں علاج کی اہمیت ،معالج کے حقوق وفرائض اور اسی نوع کے بعض دیگر اہم موضوعات کا احاطہ بھی کیا گیا ہے۔

میری خوش قسمتی ہے کہ خیبر میڈیکل یونیورسٹی کے موجودہ وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر محمد ضیاء الحق نے بارہ سال بعد دوبارہ اس نصاب پرنظر ثانی کی ضرورت کومحسوس کرتے ہوئے مجھے کمیٹی کا نگران مقرر کیا تا کہ عصر حاضر کے تقاضوں کی روشنی میں جدید طبی مسائل کو پاکستان میڈیکل اینڈ ڈینٹل کونسل (PMDC) کی ہدایات کے مطابق مرتب کریں اور نوجوان ڈاکٹر اور طب کے متعلق تمام منسلک اداراجات مثلاً نرسنگ، فزیوتھراپی ،الائیڈ ہیلتھ سائنسز وغیرہ اس مقدس پیشے کے پیش نظر اسلام کے جدید طبی مسائل سے روشناس ہوسکیں چنانچہ نئے مصنفین نے شب و روز محنت کرکے اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جس کے لئے میں وائس چانسلر اور کمیٹی کے ارکان کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔جنہوں نے اسلامیات کے اس نئے نصاب کی تیاری میں اپنی بھرپور راہنمائی اور عملی تعاون فراہم کیا۔ حرف آخر یہ کہ اس نصاب سے نہ صرف نوجوان ڈاکٹروں میں اسلام کے بنیادی عقائد اور عبادات کے حوالے سے شعور اجاگر کرنے میں مدد ملے گی بلکہ اس سے ان میں بنیادی انسانی اخلاقیات پیدا کرنے کی راہ بھی ہموار ہوگی۔ لہذا ہم بجا طور پر توقع رکھتے ہیں کہ میڈیکل کالجوں اور ملحقہ ادارہ جات کے لئے اسلامیات کا یہ نیا نصاب طبی شعبے کے طلباء طالبات کی ہمہ گیر کردار سازی میں ایک انقلاب آفرین قدم ثابت ہوگا۔ان شاءاللہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد حفیظ اللہ

کنوینیر نصاب کمیٹی برائے اسلامیات

فہرست مضامین

نمبر شمار۔	موضوع	صفحہ
1۔پیش لفظ		3
پہلا باب:		8 - 22
۱۔	وحی کی اہمیت	
۲۔	اسلام کے بنیادی عقائد	
۳۔	عقیدہ توحید	
۴۔	عقیدہ رسالت	
۵۔	عقیدہ آخرت	
دوسرا باب:	عبادات	23 - 42
۱۔	نماز	
۲۔	زکوٰۃ	
۳۔	روزہ	
۴۔	حج	
۵۔	جہاد۔تعارف واہمیت	
	i۔ جہاد اور قدرتی آفات میں معالج کی ذمہ داریاں	
	ii۔متعدی امراض اور کرونا	
	iii۔ اسلام میں نرسنگ کی اہمیت	
تیسرا باب:		43 - 46
۱۔	اخلاقیات کی تعریف واہمیت	
۲۔	مذہب اور اخلاق کا تعلق	
چوتھا باب:		47 - 50
۱۔	مقاصد شریعت اور انسانی صحت	
۲۔	انسانی جان کی حرمت	
پانچواں باب:		51 - 63
۱۔	پیشہ طب کی اہمیت وفضلیت	
۲۔	پیغمبر ﷺ بحیثیت طبیب	
۳۔	مسلم اطباء کی خدمات اور ان کے اہم کارنامے	
۴۔	**تحقیق اور اس کی ضرورت**	

چھٹا باب: معالج کی صفات 64 - 82

۱۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا علم

۲۔ حکمت و دانائی

۳۔ ایثار و ہمدردی

۴۔ ذمہ دارانہ زندگی

۵۔ صبر

۶۔ نرم گفتاری

۷۔ تواضع

۸۔ رازداری

۹۔ عزت نفس

۱۰۔ عفو و درگزر

۱۱۔ رحم دلی

۱۲۔ احسان

۱۳۔ خود اعتمادی

۱۴۔ عہد و پیمان

۱۵۔ مساوات

ساتواں باب: معالجین کا باہمی تعلق 83 - 88

۱۔ نیکی کے کاموں میں تعاون

۲۔ حسد

۳۔ غیبت

۴۔ بغض و کینہ

۵۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

۶۔ آدابِ مجلس

آٹھواں باب: معالج اور مریض کا تعلق 89 - 97

۱۔ خوش کلامی

۲۔ عیب پوشی

۳۔ رحم و شفقت

۴۔ مریض کو تسلی دینا

۵۔ مریض کی عیادت

۶۔ مریض کی اخلاقی تربیت

۷۔ حرام دواؤں سے پرہیز

۸۔ مریض کی اجازت

نواں باب: معالج کی ذمہ داریاں 98 - 106

۱۔ اخلاق وکردار

۲۔ ہسپتال میں ملازمت

۳۔ وقت کی پابندی

۴۔ مریض کی تشخیص اوران کے لواحقین کے ساتھ برتاؤ

۵۔ ہڑتال

۶۔ آلات وادویات کی خریداری

۷۔ سرٹیفکیٹ کا اجراء

۸۔ کمیشن لینے، غیرضروری ادویات اورٹیسٹوں سے اجتناب

۹۔ حلال وحرام کی اہمیت وفضیلت

دسواں باب: معالج اور معاشرہ 107 - 115

۱۔ جدید طبی مسائل

۲۔ بچوں کی پیدائش میں وقفہ

۳۔ عالمی وباء اور اسلام کا نقطہ نظر

۴۔ آسان موت

۵۔ انتقالِ خون

۶۔ اعضاء کی پیوندکاری اور انتقالِ اعضاء

۷۔ پوسٹ مارٹم

۸۔ میڈیکل پریکٹس میں انسان اور جانوروں کے خلیات سے متعلق طبی تحقیق

حوالہ جات 116 - 128

پہلا باب

وحی کی ضرورت واہمیت

(The need and importance of Reveletion)

وحی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی جلدی سے اشارہ کر دینے کے ہیں۔ جب کہ شرعی اصطلاح میں وحی سے مراد'' اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو اس کے نبی پر نازل ہو''۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسان کو آباد کرنے کے ساتھ ساتھ اس چند روزہ زندگی کو ایک خاص نہج اور اصول پر گزارنے کیلئے ہدایات نازل فرمائی ہیں۔ انہی ہدایات کے مجموعے کا نام دین ہے۔ اور جو راستہ ان ہدایات کے بھیجنے کیلئے منتخب کیا گیا ہے وہ وحی الٰہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش کے لئے بھیجا ہے، اور اس کے ذمہ کچھ فرائض عائد کر کے پوری کائنات کو اس کی خدمت میں لگا دیا ہے، لہٰذا اس دنیا میں آنے کے بعد انسان کیلئے دو کام ناگزیر ہیں۔ ایک یہ کہ اس کائنات سے ٹھیک ٹھیک کام لے اور دوسرا یہ کہ اس کائنات کو استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام کو مدنظر رکھے۔

ان دونوں کاموں کیلئے انسان کو ''علم'' کی ضرورت ہے۔ اگرچہ حصول علم کے ذرائع اور بھی ہیں مثلاً حواس خمسہ عقل ، الہام وغیرہ لیکن بہر حال یہ تینوں ذرائع ایسے نہیں ہیں کہ انسان کو کائنات کی حقیقت اور خود اس کو اپنی حقیقت بتا سکیں۔ کیونکہ تینوں کا دائرہ کار محدود ہے اور یہ واضح ہے کہ صرف عقل اور مشاہدہ انسان کی رہنمائی کے لیئے کافی نہیں بلکہ اس کی ہدایت کے لیئے وحی الٰہی ناگزیر ضرورت ہے۔

وحی کی ابتداء حضرت آدمؑ سے ہوئی اور اختتام حضرت محمد ﷺ پر ہوا۔ تمام انبیائے کرام کا دین ایک ہی ہے یعنی اسلام البتہ شریعتیں مختلف تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وقت اور لوگوں کے حالات کی مناسبت سے جو احکامات نازل ہوتے رہے اور بعد میں آنے والی امتوں کے لئے کچھ نہ کچھ ردوبدل کیا جاتا رہا۔ البتہ آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ اختتام کو پہنچا اور دین ہر صورت میں کامل ہو گیا۔(۱) سورۃ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً ○ (۲) (اور) آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں۔ اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

اسلام کے بنیادی عقائد:

(Fundamental Beliefs of Islam)

عقائد کا لفظ عقیدہ کی جمع ہے، یہ لفظ' عقد' سے نکلا ہے، اس کے معانی ہیں گرہ لگانا، وعدہ کرنا، باندھنا، عہد و پیمان کرنا، 'عقد' کے معانی بندھن اور معاہدہ کے ہیں۔ جیسے عقدِ نکاح، عقدِ بیع اور عقدِ صلح وغیرہ۔ اس سے عُقْدَہ کا لفظ بھی نکلا ہے، جس کے معنی ہے ''گرہ'' یا ''گانٹھ''۔

ان تمام معانی کو مدنظر رکھ کر عقیدے کا جو مفہوم بنتا ہے وہ ہے ایسی بندھی ہوئی چیز جو آسانی سے کھل نہ سکے۔ اسی مناسبت سے 'عقیدہ' سے مراد انسان کے وہ پختہ، مضبوط، محکم اور اٹل نظریات ہیں، جن پر وہ مضبوطی سے قائم ہو۔ اور وہ انہیں کسی حالت میں آسانی سے بدلنے کے لیے تیار نہ ہو۔ انسان کا ہر کام انہی نظریات و عقائد کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اُن کا 'پرتو' ہوتا ہے۔ یہی عقائد اسکے دل و دماغ پر حکمرانی کرتے ہیں۔ اور انہی سے انسان کے اعمال اور افعال صادر ہوتے ہیں۔ اسلام کے سب سے اہم بنیادی عقائد یعنی اللہ پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان، رسولوں پر ایمان، آخرت پر ایمان، تقدیر پر ایمان اور موت کے بعد زندگی پر ایمان، تاہم ''عقیدہ توحید'' (ایمان باللہ)، عقیدہ رسالت (ایمان بالرسل) اور عقیدہ آخرت (ایمان بالآخرۃ) کو سمجھنے کے لیے مختلف احادیث اور آیات درج ذیل ہیں۔

عقیدہ توحید:

(Belief of Monotheism / Tawheed)

بنیادی عقائد میں سب سے پہلا عقیدہ توحید کا ہے۔ '' لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ '' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

توحید کے لغوی معنی ہیں ایک ماننا، یکتا جاننا، دین کی اصطلاح میں اس سے مراد اس دنیا کے پیدا کرنے والے اور اس کے پروردگار کو ایک ماننا، بے مثال ماننا، اور صرف اسی کو عبادت کے لائق سمجھنا۔

حضرت آدمؑ سے لیکر اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک جتنے انبیائے کرام دنیا میں تشریف لائے ہیں۔ سب نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی ہے۔ اور انہوں نے یہ بتایا کہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں۔ اور اسی کے حکم سے یہ سب کچھ ختم ہوگا۔ وہ ایک ہے، اس جیسا کوئی نہیں، صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیے اور اسی کا حکم ماننا ضروری ہے۔

اگر دو یا دو سے زیادہ خدا ہوتے تو یہ نظام کسی بھی طرح اس قدر منظّم انداز میں نہ چلتا۔ جس طرح چل رہا ہے۔ قرآن پاک کی سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ '' لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o (۳) اگر آسمان اور زمین میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہوجاتے۔ جو باتیں یہ لوگ بتاتے ہیں خدائے مالکِ عرش ان سے پاک ہے۔

قرآنِ پاک کی یہ دلیل ایسی دلیل ہے، جس کو ایک عام آدمی بھی بہت آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ کہ ایک گھر کے دو والی ہوں، ایک خاندان کے دو رئیس ہوں، ایک ملک کے دو حکمران ہوں تو گھر خاندان اور ملک کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس طرح اگر خدا بھی ایک سے زیادہ ہوتے تو کائنات کا نظام اس قدر منظّم انداز میں نہ چلتا۔ اتنی ہم آہنگی نہ ہوتی۔ ایک کہتا میں بارش برساتا ہوں، دوسرا کہتا میں نہیں برسانا چاہتا، ایک کہتا میں دن لانا چاہتا ہوں، دوسرا کہتا میں رات لانا چاہتا ہوں، ایک کہتا میں رات کو سورج لانا چاہتا ہوں، دوسرا کہتا میں دن کو چاند لانا چاہتا ہوں، گویا کائنات میں ایک زبردست کشمکش اور چپقلش برپا ہو جاتی، اور اس کا نتیجہ فساد اور بگاڑ ہوتا۔

رب کائنات ہر لحاظ سے کامل ہے:

معبود حقیقی وہی ہو سکتا ہے جو اپنی ذات و صفات میں ہر لحاظ سے کامل و اکمل ہو۔ جو واجب الوجود ہو۔ اپنے موجود ہونے کے لئے کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو۔ وہ ہر کمزوری، احتیاج اور مجبوری سے بالاتر ہو۔ اگر ہم ایک سے زائد الٰہ تصور کر لیں، تو نظام چلانے میں وہ ایک دوسرے کے محتاج ہوں گے۔ لیکن خدا تو محتاج نہیں ہوتا ہے۔ وہ ''صمد'' (غیر حاجت مند) ہوتا ہے۔ اگر ہم فرض کر لیں کہ یہ سارے خدا با اختیار ہیں تو لازمی ٹکراؤ آئے گا۔ جس سے نظام درہم برہم ہوگا۔

اگر ایک کے ذمے کچھ خاص کام کرنے ہیں۔ تو یہ سمجھا جائے گا کہ دوسرے ان کاموں کے کرنے سے عاجز ہیں۔ لیکن خدا تو عاجز اور بے اختیار نہیں ہوتا ہے۔ اگر یہ خدا سمجھوتہ کر کے نظام چلانے کا معاہدہ کر چکے ہوں تو دیکھا جائے گا کہ نظام کو چلانے میں سب کی طاقت صرف ہو رہی ہے یا ایک کی۔ تو اگر ایک کی صرف ہو رہی ہے تو باقی بے مقصد ٹھہرے۔ چنانچہ آیت میں واضح طور سے یہ بات کی گئی ہے، کہ عرش کا مالک ہر عیب سے اور ہر نقصان سے پاک ہے۔ اس کی مِلک میں شرکت کی گنجائش نہیں نکلتی۔ اور جو لوگ دوسرے خداؤں کو اللہ کا شراکت دار بنا رہے ہیں۔ وہ سخت جاہل ہیں اور گمراہ ہیں اور کافر ہیں۔

سورۃ بقرۃ میں اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ o (۴) اور (لوگو) تمہارا معبود خدائے واحد ہے اس بڑے مہربان (اور) رحم والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

معبود برحق ایک ہی ہے۔ آیت میں کہا گیا کہ ''**اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ**'' واحد کا لفظ وحد سے نکلا ہے، جس کے معنی ایک ہونے کے ہے۔ ان کلمات سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک (واحد) ہے یگانا ہے، یکتا (احد) ہے۔ کوئی اس کا شریک اور ساجھی نہیں ہے۔ اس تمام کائنات کا وہی تنہا مالک اور خالق ہے۔ صرف وہ ہی **رَبُّ الْعَالَمِيْنَ** ہے وہ ازل سے ہے اور رہے گا۔ وہ اپنی ذات میں کامل ہے۔ صرف وہ ہی عبادت کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہی عقیدہ ''عقیدہ توحید'' کہلاتا ہے۔ اور اس کو مختلف اقسام کے تحت بیان کیا جاتا ہے۔

۱) **توحید فی الذات** اللہ ذات اور گنتی میں یکتا ہے۔سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ O اللّٰهُ الصَّمَدُ O لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْO وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ O (۵)

کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ (ہے) یکتا ہے۔(وہ) معبود برحق جو بے نیاز ہے نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

۲) **توحید فی الصِّفات** اللہ جیسی صفات کسی اور میں موجود نہیں ہیں۔سورۃ الشوریٰ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

" لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْر" o (٦) اس جیسی کوئی ذات نہیں اور وہ دیکھتا سنتا ہے۔

۳) **توحید فی الْعِبَادَات**: عبادت کا حق صرف اللہ ہی کا ہے۔ سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

" اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُo" (۷) (اے پروردگار) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

۴) **توحید فی الاختیار**: کائنات میں اختیار صرف اللہ کا چل رہا ہے۔سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **"لَـــهٗ مُـلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (۸)** آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے

۵) **توحید فی التَّصَرُّف**:: اس کائنات میں جس قدر تصرف ہوتا ہے، یہ سب اُسی ذات واحد کی طرف سے ہوتا ہے۔ سورۃ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

" وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُo " (۹) اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

وجود باری تعالیٰ:

اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے میں کوئی عاقل اور سمجھدار شک نہیں کرسکتا۔عقل کا تقاضا یہی ہے کہ ہم کوئی بھی چیز دیکھتے ہیں ،تو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اُس کا کوئی بنانے والا بھی ہے۔یہ جو مکان نظر آتا ہے کسی معمار کا بنایا ہوا ہے۔یہ جو گھڑی چل رہی ہے کسی کارخانے میں بنی ہے۔اور اس کارخانے کو کوئی چلا رہا ہے۔کوئی مکان خود بخود نہیں بنتا۔کوئی گھڑی خود بخود نہیں بنتی ہے۔کوئی کارخانہ خود بخود نہیں چلتا ہے۔پھر دُنیا کا یہ عظیم الشان کارخانہ جو نامعلوم وقت سے اب تک ایک خاص نظام کے تحت چل رہا ہے۔خود بخود کیسے پیدا ہوسکتا ہے اور کیسے چل سکتا ہے؟ زمین ایک خاص وقت میں سورج کے گرد اپنا چکر پورا کرتی ہے،آج تک اس میں ایک سیکنڈ کا فرق نہیں پڑا۔ستارے اپنے وقت پر ابھر آتے ہیں ، اور اپنے وقت پر نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں۔کبھی وہ اپنی رفتار نہیں بھولتے ہیں۔سورۃ الملک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"مَاتَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍo" (۱۰) کیا تو (خدا) رحمٰن کی آفرینش میں کوئی نقص دیکھتا ہے۔ذرا آنکھ اُٹھا کر دیکھ بھلا تجھ کو (آسمان میں) کوئی شگاف نظر آتا ہے۔

سورج اپنے مدار میں چکر لگا رہا ہے، اور چاند اپنے مدار میں ،نہ سورج اپنے مدار سے ہٹتا ہے اور نہ چاند سورج کی طرف

کھینچ کر جاتا ہے۔نہ کبھی ایسا ہوتا ہے۔کہ رات آتے آتے رک جاتی ہے، اور نہ کبھی یہ کہ دن جاتے جاتے رہ جاتا ہے۔قرآن مجید کی سورہ یٰسین میں اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ کیا ہے۔

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ O (۱۱) نہ تو سورج ہی سے ہوسکتا ہے۔کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے۔سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔

قدرت کا یہ کارخانہ اسی نظم وضبط کے ساتھ ایک نامعلوم مدت سے چلا آرہا ہے۔کیا عقل یہ مانتی ہے۔کہ اتنا بڑا نظام اتنی مدت سے مسلسل بغیر کسی چلانے والے کے چل سکتا ہے؟ ظاہر ہے عقل یہ بات نہیں مان سکتی۔اس لئے خود یہ کائنات دن رات، چاند سورج اور زمین وآسمان کا یہ نظم وضبط اللہ کے وجود کا عین ثبوت ہے۔سورۃ العمران میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ O"(۱۲) بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو خود اس کی اپنی پیدائش کی طرف متوجہ کیا ہے۔کہ سوچو اور اگر یہ بات سمجھ میں آجائے تو پھر اس پر یقین کرلو۔شک وشبہ میں نہ پڑو۔سورۃ الطّور میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ oاَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ "o(۱۳)"کیا یہ کسی کے پیدا کیے بغیر ہی پیدا ہوگئے ہیں۔ یا یہ خود(اپنے تئیں) پیدا کرنے والے ہیں۔ یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ (نہیں) بلکہ یہ یقین ہی نہیں رکھتے۔"

نظام کائنات کی یہ گواہی ایک عقلی دلیل ہے۔اس دلیل کے بغیر بھی اللہ کو ماننا انسانی فطرت کی آواز ہے۔اور انسان کی روح کو ایک خالق کائنات کے ماننے اور اس کی عبادت کے بغیر سکون نہیں ملتا ہے۔اس لئے انسانیت کے ہر دور میں مہذب سے مہذب اور وحشی سے وحشی قوموں نے کسی نہ کسی صورت میں ایک عظیم ذات کا اعتراف کیا ہے۔اور اس کی عبادت کی ہے آثار قدیمہ کی تحقیقات سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ دنیا کے مختلف گوشوں میں بسنے والے وحشی اقوام جن کی فکری سطح بہت کم تھی وہ بھی کسی نہ کسی شکل میں اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل تھے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وجود باری تعالیٰ پر ایمان لانا انسان کی فطرت میں ہے۔بڑے سے بڑا کافر بھی کسی بڑی مصیبت میں پھنس کر بے اختیار اپنے بنانے والے کو پکار اٹھتا ہے۔اللہ کا ارشاد ہے: سورۃ الطّور ہی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ج لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ o قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ " o (۱۴)"کہو بھلا تم کو جنگلوں اور دریاؤں کے اندھیروں سے کون خلاصی (نجات) دیتا ہے۔(جب) کہ تم اسے عاجزی اور نیاز پنہانی سے پکارتے ہو۔(اور کہتے ہو) اگر خدا ہم کو اس

(تنگی) سے نجات بخشے تو ہم اس کے بہت شکر گزار ہوں۔ کہو کہ خدا ہی تم کو اس (تنگی) سے اور ہر سختی سے نجات بخشتا ہے۔ پھر (تم) اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔''

یہ پکار انسان کی اصلی فطرت ہے اور یہ فطرت اللہ تعالیٰ کی موجودگی کی سب سے بڑی گواہی ہے۔ جس طرح یہ بات واضح اور یقینی ہے کہ اس کائنات کا کوئی پیدا کرنے والا اور چلانے والا ہے۔ اور وہ اللہ ہی ہے۔ اس طرح یہ بات بھی واضح اور یقینی ہے کہ وہ اللہ ایک ہے۔ انسانی عقل خود اپنی سوچ میں اسی نتیجے پر پہنچتی ہے۔ اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو ہر ایک اس دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق چلانے کی کوشش کرتا۔ ایک کشمکش شروع ہو جاتی اور اس کھینچا تانی میں دنیا کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

عقیدہ توحید کے اثرات

ایک بندہ جب صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرتا ہے تو اسکی سوچ، فکر، قول اور عمل میں ایک مثبت تبدیلی پیدا ہوتی ہے جس کے واضح اثرات اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں دیکھے اور محسوس کئے جاسکتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ تقوی

تمام نیکیوں کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ بندہ میں تقوی کی صفت پیدا ہو جائے۔ تقوی جب انسان میں پیدا ہوتا ہے تو وہ ظاہر اور باطن سے اپنے آپ کو ایک ذمہ دار انسان سمجھ کر ہمیشہ نیک اعمال بجا لانے کیلئے ہمہ وقت کوشاں رہتا ہے۔ اور عقیدہ توحید یہی صفت پیدا کرتا ہے جب ایک انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے تو گویا خود بخود اس کے دل میں اللہ کا خوف پیدا ہوتا ہے جو اُس کو برے کاموں سے روکتا ہے۔

۲۔ استقامت

سچے دل سے اللہ تعالیٰ پر یقین کرنے سے انسان میں استقامت آتی ہے اُس کا پکا یقین ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور یہ کہ قادر مطلق ذات صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس وجہ سے اس کے دل میں مخلوق کا خوف نہیں رہتا۔ اور ہر وقت اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر اپنا تن من دھن قربان کرنے کے لیئے تیار رہتا ہے۔

۳۔ امید

اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے سے انسان اپنی توقعات اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرتا ہے۔ اور اسی کے سامنے اپنی التجائیں کرتا ہے ایک مؤمن کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ اُس کو یقین ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا ہے۔ تو وہ میرا خیال بھی رکھے گا۔ لیکن اُس کے لئے شرط یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھے۔

۴۔ خود اعتمادی۔

اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنے سے انسان میں خود اعتمادی کی صفت پیدا ہوتی ہے کیونکہ اس کو یہ یقین ہوتا ہے کہ مجھے نفع اور نقصان دینے والی ہستی صرف ایک ہی ذات ہے۔ اس لئے وہ مخلوقات سے اپنی حاجت روائی کے لئے توجہ نہیں دیتا۔ بلکہ جو بھی مانگتا ہے۔ اللہ تعالی سے مانگتا ہے۔ جس سے اس میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

۵۔عاجزی

ایک انسان کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں تکبر نہ ہو، اور جب بندہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اقرار کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا عاجز بندہ سمجھتا ہے۔ اس کو یقین ہوتا ہے کہ ایک ہی ذات سب سے بلند اور بڑی ہے۔ اس سے اس میں تکبر کا شائبہ تک پیدا نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ کسی بھی حوالے سے تکبر سے پیش نہیں آتا۔

عقیدہ رسالت

(Belief in Prophethood)

معنی اور مفہوم:

اسلام کا دوسرا بنیادی عقیدہ ''عقیدہ رسالت'' ہے۔ رسالت کا مادہ (ر۔س۔ل) ہے جس کے معنی پیغام پہنچانا ہے۔ جس کے ذریعے پیغام پہنچایا جاتا ہے اسے رسول کہتے ہیں۔ جبکہ فارسی میں رسول کا مترادف لفظ پیامبر ہے۔ گویا رسالت کا لفظ ہر طرح کے پیغام رسانی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ عقیدہ رسالت یہ ہے کہ اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت ورہنمائی کے لئے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا۔ رسول کا ہم معنی لفظ نبی ہے، نبی کا لفظ نباء سے ماخوذ ہے، جس کے لغوی معنیٰ 'خبر دینے والا' کے ہیں۔ چونکہ رسول لوگوں کو اللہ کے فرامین، احکامات اور ارشادات سے آگاہ کرتا ہے، اسلئے اسے نبی کہا جاتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مختلف قوموں کی اصلاح کے لئے وقتاً فوقتاً مختلف انبیاء اور رسل کو مبعوث کیا۔ سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

''وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلاً'' (۱۵) ۔تحقیق ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا۔ لہٰذا ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کے احکامات کو امت تک پہنچانا تھا۔ جسے انہوں نے بطریقِ احسن انجام دیا اگر چہ اس راستے میں ان کو مختلف تکالیف بھی پیش آئیں۔ مگر پیغمبروں نے اس کو برداشت کیا۔

تمام پیغمبروں کے بعد اللہ تعالیٰ نے آخری اور اکمل رسول حضرت محمد ﷺ کو خاتم النبیین اور پچھلے مذاہب یعنی یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت کا ناسخ بنا کر مبعوث فرمایا۔ ان کے بعد نبوت اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے۔ اس لئے آپ کے بعد کوئی اور نبی نہیں آسکتا۔ آپ خاتم النبیّین ہیں۔ اور عقیدہ ختم نبوت قرآن، حدیث اور اجماع تینوں سے ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں جن لوگوں نے نبوت کے دعوے کیئے۔ صحابہ کرامؓ نے اُن کے خلاف جہاد کیا۔

رسول اور نبی میں فرق:

رسول وہ ہے جو مخاطبین کو نئی شریعت پہنچائے خواہ شریعت خود اس رسول کے اعتبار سے جدید ہو جیسے تورات وغیرہ یا اُمت کے اعتبار سے جیسے حضرت اسماعیلؑ کی شریعت جو دراصل حضرت ابراہیمؑ کی قدیم شریعت ہی تھی، لیکن قوم جرہم ایک دوسری قوم تھی جس کے لئے یہ پیغام جدید تھا۔ جبکہ نبی وہ ہے جو صاحب وحی ہو خواہ شریعت جدید کی تبلیغ کرے یا شریعت قدیمہ کی۔ بنی اسرائیل کے اکثر انبیائے کرام شریعت موسوی کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔

رسول کی اطاعت کا حکم:

قرآن حکیم اطاعت نبویؐ کی تعلیم پر زور دیتے ہوئے سورۃ محمد میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ؛ ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ

وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ'' (۱۶)

''اے ایمان والوں، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔'' دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗٓ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ o (۱۷) ''اگر تم مومن ہو تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔''

سورہ نساء آیت (۶۵) میں فرمایا: فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا o ''تیرے رب کی قسم؛ یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں جب تک کہ اپنے تمام معاملات میں آپؐ کے فیصلوں کو فیصلہ کن نہ مانیں۔ پھر ایسا کرتے وقت اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں۔ اور آپؐ کے فیصلوں کے سامنے مکمل سر تسلیم خم کریں۔ یعنی دین میں رسول کی اطاعت کو لازمی قرار دیا گیا ہے اور یہ ایمان کا حصہ ہے۔

سنت نبویؐ کی اہمیت:

اگر کوئی شخص نبی کریمؐ کی سنت پر عمل کرنے سے انکار کرتا ہے، تو ایسا شخص پورے اسلام کا انکار کرنے والا سمجھا جائے گا سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کے بعد بھی اپنی خواہش پر عمل کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا o'' (۱۸) جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ واضح گمراہی میں پڑ گیا۔ اسی طرح سُوْرَۃُ النُّوْر میں فرمایا:

''فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖٓ اَنْ تُصِیْبَھُمْ فِتْنَۃٌ اَوْ یُصِیْبَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ o'' (۱۹) ''کہ جو لوگ آپ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہئے کہ ایسا نہ ہو کہ ان پر کوئی آفت آن پڑے یا تکلیف دہ عذاب نازل ہو۔''

اس طرح دیگر جگہوں میں نبی کریم کی مخالفت کرنے والے کے لئے سخت عذاب کی وعید آئی ہے۔ جیسا کہ جنگ احد میں نبی کریمؐ کے حکم سے لاپرواہی کرنے پر مسلمانوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔

احترام وحُبِّ رسول ﷺ

قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں کئی مقامات پر مختلف انبیاء کرام کا ذکر موجود ہے۔ اس لیئے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے یہ ضروری شرط ہے کہ تمام انبیاء اور رسل پر ایمان لایا جائے۔ لیکن چونکہ حضرت محمد ﷺ پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہوا۔ آپ ﷺ آخری رسول ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی دوسرا نبی و رسول نہیں آئے گا۔ اسی لیے آپ ﷺ کی بعثت تمام انسانوں کے لیے ہے۔ قرآن کریم کی سورۃ الاعراف میں ارشاد ہے۔ قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (۲۰)۔ کہہ دو اے لوگو، میں تم سب کے لیئے اللہ کی جانب سے رسول بھیجا گیا ہوں۔ لہٰذا اس بنیاد پر آپ ﷺ کا احترام اور محبت تمام انسانوں پر لازم ہے۔ محبت اور احترام کا مطلب آپ ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے کہ آپ کی تعلیمات پر عمل کیا جائے۔ اسی کو محبت کہتے ہیں اور یہ محبت تمام دنیا سے زیادہ ہو۔ آپ ﷺ سے محبت ایمان کا تقاضا بلکہ عین ایمان ہے۔ اور

آپ ﷺ کی محبت کے بغیر ایمان نامکمل ہے۔ دنیا میں انسان کی سب سے زیادہ محبت اپنے والدین، اولاد اور دولت سے ہوتی ہے مگر آپ ﷺ نے اس بارے میں فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہیں ہوگا۔ جب تک اس کے والد اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ اس کے دل میں میری محبت نہ ہو جائے۔(۲۱)

آپ ﷺ دنیا کے کامیاب ترین انسان اور رہنما ہیں اور دنیا و آخرت میں کامیاب وہی شخص ہے جو آپ سے محبت کرے اور آپ کی اتباع کرے۔ آپ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ اور آپ ﷺ کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ آپ ﷺ سے آگے بڑھنے کی اہل ایمان کو اجازت نہیں۔ اور نہ ہی آپ ﷺ کی آواز سے کسی کو اپنی آواز بلند کرنے کی اجازت ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کے آداب و احترامات اس درجہ اہمیت رکھتے ہیں کہ اس کو خوفِ خدا اور عقل کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ الحجرات کی ابتدائی آیات میں نبی کریم ﷺ کے ادب و احترام کے حوالے سے خصوصی احکامات صادر فرمائے گئے ہیں اور اس ادب و احترام کو خوفِ خدا کا پیمانہ قرار دیا ہے۔ کہ مومن پوری زندگی آپ کے قول و عمل کا اتباع کرے گا۔(۲۲)

صحابہ کرام کی محبت کا یہ عالم تھا کہ جب انہیں نبی کریم ﷺ کی پسند اور ناپسند کا پتہ چلتا تو اسی کو اپنی پسند اور ناپسند قرار دیتے۔ یہاں تک کہ اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، چلنے پھرنے الغرض آپ کی ہر ادا کو اپنا نصب العین بنا لیا تھا۔ اور اپنی زندگیوں کو آپ ﷺ کی محبت اور احترام کے سانچے میں ڈھال دیا تھا۔ آپ ﷺ سے محبت کا معیار اور تقاضا یہ ہے کہ آپ کی اتباع اور اسوۂ حسنہ کو اپنی زندگی کا حصہ اپنا کر سچی محبت اور عشق رسول کی گواہی دیں تا کہ صحیح معنوں میں محبت کے دعویدار بن سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو جو عزت اور اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے قرآن کریم کی سورۃ الاحزاب میں یوں واضح کیا:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا(۲۳) بے شک اللہ اور اس کے فرشتے آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والوں تم بھی آپ ﷺ پر درود پڑھو اور بکثرت سلام پڑھو۔ اس آیت کریمہ سے سرکار دو عالم ﷺ کے اعلیٰ مرتبے اور اللہ کے نزدیک آپ ﷺ کے مقام کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ نہ صرف اللہ تعالیٰ خود نبی کریم ﷺ سے محبت کرتے ہیں بلکہ فرشتوں اور انسانوں کو بھی سرکار دو عالم ﷺ سے محبت کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے نبی ﷺ پر ایمان کامل رکھتے ہیں وہ بھی اپنی عبادات اور دعاؤں میں اللہ سے التجا کرتے ہیں کہ محمد ﷺ پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔(۲۴)

اسلام میں عقیدہ آخرت کا تصور

(Belief in Hereafter / The Day of Judgement)

آخرت کے لغوی و اصطلاحی معنی:

''عقیدہ آخرت'' اسلام کا تیسرا بنیادی عقیدہ ہے۔ آخرت کے لغوی معنی 'بعد میں ہونے والی چیز' کے ہیں۔ اصطلاح میں عقیدہ آخرت سے مراد یہ ہے کہ کوئی بھی انسان صرف دنیا کی زندگی کو سب کچھ نہ سمجھ بیٹھے بلکہ حقیقی اور اصلی دنیا وہ ہے جو مرنے کے بعد شروع ہونے والی ہے۔ اس دنیا کو 'اَلدُّنیَا مَزرَعَۃُ الاٰخِرَۃِ' کہا جاتا ہے، یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ اور آخرت کو 'دار الجزا' کہتے ہیں۔ آخرت میں اچھے اعمال کا اجر و ثواب دیا جائے گا۔ اور بداعمالیوں کی سزا ملے گی۔

مفہوم:

عقیدہ آخرت کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی بھی انسان مرنے کے بعد ہمیشہ کے لئے فنا نہیں ہوتا بلکہ اس کی روح باقی رہتی ہے اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب اللہ تعالیٰ اس روح کو جسم میں منتقل کر کے اسے دوبارہ زندہ کرے گا۔ اور پھر تمام انسان خدا کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب دیں گے۔ جن کے اعمال اچھے ہوں گے اُنھیں ایک ایسی جگہ عنایت ہوگی جو خدا کی نعمتوں سے بھرپور ہوگی اس کا نام قرآن میں جنت ہے۔ اور جن کے اعمال بُرے ہوں گے وہ ایک انتہائی اذیت ناک جگہ میں رہیں گے، جس کا نام قرآن میں جہنم ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی سورۃ الانفطار میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

'' اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ o وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ o'' (۲۵) ''بیشک نیکوکار (نعمتوں کی بہشت) میں ہوں گے۔ اور بدکار دوزخ میں''

آخرت کے مفہوم کو اللہ تعالیٰ سورۃ القارعۃ کی آیت میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

'' فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ o فَھُوَ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ o وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ o فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃٌ o '' (۲۶) '' تو جس کے (اعمال کے) وزن بھاری نکلیں وہ دل پسند عیش میں ہوگا۔ اور جس کے وزن ہلکے نکلیں گے۔ اس کا مرجع ہاویہ ہے۔''

آخرت کا تصور:

قرآن و سنت کی تعلیمات کی رو سے آخرت کی وضاحت یوں ملی ہے۔

۱) ایک دن اللہ تعالیٰ تمام کائنات اور اس کی مخلوقات کو ختم کر دے گا۔ اسی دن کا نام قیامت ہے۔

۲) پھر تمام جاندار مخلوق کو ایک دوسری زندگی بخشے گا۔ اور سب اللہ تعالیٰ کے سامنے جمع کئے جائیں گے۔ اس کو یومِ حشر کہتے ہیں

۳) تمام مخلوقات کے نامہ اعمال اللہ کو پیش کر دیئے جائیں گے۔ اور ان کا حساب کتاب کیا جائے گا۔

۴) اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اچھے اور برے اعمال کا بدلہ دے گا۔ جس کے اچھے اعمال زیادہ ہوں گے۔ اس کو بخش دے گا، اور جس کے بُرے اعمال زیادہ ہوں گے اسے سزا دی جائے گی۔

۵) جن لوگوں کی بخشش ہو جائے گی وہ جنت میں جائیں گے اور جن کو سزا دی جائے گی، وہ دوزخ میں جائیں گے۔

عقیدہ آخرت سے متعلق عقلی دلیل:

عقل بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آخرت کا وجود ضروری ہے۔ اللہ کے پیغمبروں کی مثال لیجئے۔ وہ خدا کی سب سے مقرب اور برگزیدہ ہستیاں تھیں۔ ان کی نیکیاں اور بھلائیاں سب سے بڑھ کر ہیں۔ اُن کی راست بازی اور پاک بازی کا کوئی جواب نہیں اور پھر ان ہی مقدس ہستیوں کے ذریعے انسان ہدایت وفلاح سے بہرہ ور ہوئے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس قدر عظیم اور پاکباز ہستیاں بھی دنیا میں بالعموم آزمائشوں، مصائب وآلام اور مشکلات سے دوچار تھیں اور انہیں اپنی نیکیوں اور بھلائیوں کے لحاظ سے اس عارضی دنیا میں وہ آرام وسکون میسر نہ آسکا جس کے وہ مستحق تھے۔ لہذا عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ان نفوس قدسیہ کے لئے ایک ایسا عالم اور جہاں ہونا ضروری ہے جس میں انہیں وہ جزا اور انعام واعزاز مل سکے جو ان کے شایان شان ہے۔ ظاہر ہے آخرت کا ابدی آرام وسکون اور بلند اعزاز ان کی حسنات کا صلہ ہوسکتا ہے۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ اور دیگر بزرگ اور پارسا ہستیوں کا معاملہ ہے۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ نیک لوگ دنیا میں زیادہ تر آزمائشوں اور تکالیف سے ہی دوچار رہے اور انہیں سکون وراحت کے لمحات کم ہی میسر آسکے۔ اسلئے یہ بات ضروری ہے کہ انھیں ان کی نیکیوں کا مناسب اور بھرپور صلہ آخرت کے دائمی آرام وسکون کی صورت میں ملے۔

اب بُرے لوگوں کا معاملہ دیکھئے، مثلا ایک شخص ناحق قتل کرتا ہے، اُس کے بدلے میں اسے ایک ہی مرتبہ قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن ایک شخص نے دس ناحق قتل کیئے ہیں تو ظاہر ہے اس کی سزا بھی زیادہ سے زیادہ ایک قتل ہے۔ اسے دس مرتبہ تو قتل نہیں کیا جاسکتا۔ اب ایک شخص ایک لاکھ انسانوں کا قاتل ہے۔ تو اس کی بھی دنیاوی سزا زیادہ سے زیادہ ایک مرتبہ قتل کرنا ہے۔ لیکن اس سے انصاف کا تقاضا پورا نہیں ہوسکتا ہے۔ لہٰذا آخرت میں اس کو اس کی سزا ایک لاکھ قاتلوں کے برابر دی جائیگی۔ یا اس کے مساوی سزا مل سکے گی۔ اس طرح دیگر نافرمان سرکش اور کافر ومشرک انسانوں پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ یہ بھی عام مشاہدہ ہے کہ اکثر برے اور ظالم لوگ دنیا میں عیش وآرام کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور وہ اپنے جرائم اور گناہوں کی سزا سے بچ سکتے ہیں۔ یہ سزا انھیں آخرت ہی میں ملے گی۔ الغرض عقلاً بھی آخرت کا وجود لازمی ہے اور عدل وانصاف کا بھی یہی تقاضا ہے۔

منکرین آخرت کے اشکالات:

عقیدہ آخرت تمام انبیائے کرام کی تعلیمات میں شامل رہا ہے۔ ہر نبی کو اپنے زمانے میں ایسے کم عقل اور بدنصیب لوگوں کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے، جو آخرت کا انکار کرتے ہیں۔

حضور ﷺ نے جب مکہ میں اپنی دعوت کا آغاز کیا اور اسلامی عقائد کفار ومشرکین کے سامنے پیش کئے، تو خاص طور پر آخرت کا تصور ان کے لئے بالکل نیا اور نرالا تھا۔ ان کے نزدیک یہ بات بعید از قیاس تھی کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا پڑے گا۔ قرآن کی سورہ الاسراء کے الفاظ ہیں۔ ''**وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا**

o(۲۷)''اور مشرکین نے کہا کہ جب ہم زمین میں گم ہو جائیں گے تو کیا پھر نئے سرے سے پیدا ہوں گے''۔

قرآن کا طرز استدلال:

کفار اور مشرکین کے ان شبہات اور اعتراضات کا قرآن نے بڑا حکیمانہ اور مدلل جواب دیا ہے۔سورۃ العنکبوت میں ارشاد ربانی ہے: کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ خدا کس طرح خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر (کس طرح) اُس کو بار بار پیدا کرتا رہتا ہے۔ یہ خدا کو آسان ہے۔(۲۸)

انسان پر ایسا وقت بھی گزرا ہے جب وہ قابل ذکر شے نہ تھا۔یعنی اس کا نام ونشان تک نہ تھا۔ پھر خالق مطلق نے اسے تخلیق کیا۔اب اگر اللہ اس کو اس وقت بنانے پر قادر تھا جب وہ کچھ بھی نہ تھا تو اب اس کے لئے کیا مشکل ہے۔کہ وہ اُس کو دوبارہ تخلیق کرے۔جسم وجان کے مٹی میں مل جانے اور ہڈیوں کی بوسیدگی کے اعتراض کا جواب اس طرح دیا۔سورۃ یٰس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِىٓ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ " (۲۹)''کہہ دو کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا''۔سورۃ الجاثیہ میں فرمایا: کہہ دو کہ خدا ہی تم کو جان بخشتا ہے پھر (وہی) تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو قیامت کے روز جس (کے آنے) میں کچھ شک نہیں تم کو جمع کرے گا۔(۳۰) الغرض اللہ کریم نے اپنی قدرت کاملہ سے انسان جیسی عقل وشعور والی مخلوق کو احسن تقویم میں پیدا کیا، اور وہی اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ جب چاہے، جیسا چاہے، دوبارہ، سہ بارہ بنا سکتا ہے۔اس کے لئے کوئی بھی چیز مشکل نہیں ہے۔

عقیدہ آخرت کے انسانی زندگی پر اثرات:

عقیدہ آخرت انسان کے اخلاق واعمال کو ایک درست سمت عطا کرتا ہے۔ذیل میں اس کے انسانی زندگی پر چیدہ چیدہ اثرات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ نیکی سے محبت اور بدی سے نفرت:

عقیدہ آخرت کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ اس دنیا میں ہم جو کچھ کریں گے، اگلی زندگی میں ہم اس کے لیئے جواب دہ ہوں گے۔آخرت کے محاسبے کا خوف مومن کو نیکی کی طرف مائل کرتا ہے۔بدی سے نفرت پیدا کرتا ہے۔جنت اور دوزخ کے تصورات اسے انجام کے بارے میں فکر مند کر دیتے ہیں۔

۲۔ آخرت کی تیاری:

مومن کا ایمان ہوتا ہے کہ یہ دنیا عارضی اور چند روزہ ہے۔اسلئے وہ یہاں دل نہیں لگاتا، بلکہ وہ ہر معاملے میں اپنی آخرت سنوارنے کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ یہاں خزانے جمع نہیں کرتا اور جائیداد نہیں بناتا۔ بلکہ اللہ کے دیئے ہوئے خزانوں اور

نعمتوں کو اس کی مخلوق کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کر کے دائمی اور ابدی خزانوں کا حقدار بن جاتا ہے۔آخرت کے اجر وثواب کا تصور اسے دنیاوی تکالیف ومصائب ہنس کر سہنے کی ہمت عطا کرتا ہے۔

۳۔ فرائض کی ادائیگی:

ظاہر ہے کہ قدم قدم پر اخروی محاسبے اور جواب دہی کا احساس ہوگا تو پھر انسان کے قدم نہیں بھٹکتے۔اس کا دل بہکتا نہیں۔بلکہ وہ پوری ذمہ داری اور فرض شناسی سے صراطِ مستقیم پر گامزن رہتا ہے۔اور بالآخر اپنے رب کی رضا پالیتا ہے۔

۴۔ جذبہ ایثار:

جب انسان کے اندر عقیدہ آخرت جڑ پکڑ لیتا ہے تو وہ جان و مال، گھر بار، اولاد سب کچھ اللہ کی امانت تصور کرتا ہے۔وہ جنت کی ابدی نعمتوں کے حصول کے لئے اللہ کی ان امانتوں میں خیانت نہیں کرتا ہے۔وہ مخلوق کے معاملے میں ایثار وقربانی کا پیکر بن جاتا ہے۔اور اپنے رب کو خوش کرنے کے لئے ہر قربانی اور ایثار کے لئے ہمہ وقت اپنے آپ کو تیار رکھتا ہے۔

۵۔ فنا نہ ہونے کا یقین:

عقیدہ آخرت پر یقین رکھنے والا موت سے اتنا ہی پیار کرتا ہے جتنا کوئی منکر زندگی سے۔مومن کی نظر میں موت اللہ کا تحفہ ہوتا ہے۔موت اپنے ساتھ اللہ کی رضا اور اس کی لامحدود نعمتوں کی بشارت لے کر آتی ہے۔یہ تصور اسے جرأت و ہمت عطا کرتا ہے۔اور وہ دنیا کے اندر ہر قسم کے طاغوت، شیطان اور باطل کے علمبردار سے بے دریغ ٹکرا جاتا ہے۔

۶۔ اوصاف حمیدہ:

عقیدہ آخرت پر ایمان انسان کے اعمال میں نکھار پیدا کرتا ہے۔وہ تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرتا ہے۔حسن اخلاق اور شائستہ اطوار اپناتا ہے۔اس کا طاقتور ضمیر اس کو ہر قسم کی بدی اور نافرمانی سے متنفر کرتا رہتا ہے۔مختصر یہ کہ عقیدہ آخرت سے انسانی زندگی میں ایک حسن انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔

۷۔ مقصدیت:

آخرت پر ایمان لانے سے بامقصد زندگی کا شعور پیدا ہوتا ہے۔یہ کائنات اور وجود انسان بے کار اور بے مقصد پیدا نہیں کئے گئے جیسا کہ کفار خیال کرتے تھے؛ سورۃ المومنون میں ارشاد ربانی ہے۔**اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ**o (۳۱) ''کیا تم سمجھتے ہو کہ تمھیں فضول پیدا کیا گیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے''۔

۸۔ صبر وتحمل:

عقیدہ آخرت انسان کو ہر مصیبت کا مقابلہ صبر وتحمل سے کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔جو شخص اخروی زندگی پر یقین رکھتا ہو وہ دنیا کی اس زندگی کو عارضی اور ناپائیدار سمجھتے ہوئے حق وصداقت کی خاطر ہر قسم کے مصائب وآلام برداشت کرنے کو تیار رہتا ہے

آخرت پر ایمان نہ لانے کے نتائج:

آخرت پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے انسان کے اعمال و اخلاق کئی خرابیوں کا شکار ہو جاتے ہیں ۔اس ضمن میں چند نکات قابل غور ہیں۔

۱) عقیدہ آخرت پر ایمان نہ رکھنے والا انسان بے لگام اور غیر ذمہ دار ہوتا ہے ۔وہ اپنی زندگی کو مہمل اور فضول سمجھتا ہے ۔

۲) ایسا آدمی ہر معاملے میں سطح بین ہوتا ہے، وہ کسی بھی چیز کی ظاہری چمک دمک دیکھ کر اس سے مرعوب ہو جاتا ہے ۔

۳) آخرت کا منکر دنیا کے عارضی فوائد کو آخرت کے حقیقی اور دائمی فوائد پر ترجیح دیتا ہے ۔ وہ کبھی حق کو قبول نہیں کرتا ہے ۔ کیونکہ حق قربانیاں چاہتا ہے ۔اور ایسا شخص محض مفاد کا بندہ ہوتا ہے ۔

۴) انکار آخرت سے انسان سرکش اور متکبر ہو جاتا ہے ۔مخلوق خدا کو حقیر سمجھتا ہے ۔اللہ کی نعمتوں کے بارے میں ناشکر گزاری کا رویہ اختیار کرتا ہے ۔

۵) منکر آخرت سنگدل ،ظالم ،خود غرض اور عبادات سے روگرداں ہوتا ہے ۔مختصر یہ کہ حق سے تجاوز کرنا اور گناہوں میں مبتلا ہو جانا ان کا فطری نتیجہ ہے ۔

ہم اپنے اردگرد ایسے تمدن کے اثرات دیکھ رہے ہیں کہ مادی اور دنیاوی فوائد ہی مقصد حیات بن چکے ہیں ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ انکار آخرت کے ساتھ خدا پرستی ، دینداری اور اخلاق فاضلہ کا قیام ناممکن ہے ۔

دوسرا باب

عبادات:(Worship)

عبادات جمع ہے عبادت کی۔اور یہ لفظ" عبد" سے نکلا ہے۔عربی میں ًعبدً اور فارسی میں ًبندہً زرخرید غلام کو کہتے ہیں۔اسلام سے پہلے غلاموں کوخریدنے کا عام رواج تھا۔اس لحاظ سے عبادت یا بندگی کا مطلب ہوا غلام بنانا،غلامی قبول کرنا،اسی سے عبادت میں پوجا اور پرستش کے معنی بھی پیدا ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سورۃ الذاریات میں فرماتا ہے: وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّالِيَعْبُدُوْنِ ٥ (۳۲)" میں نے جن وانس کوعبادت کے لیے پیدا کیا"۔لہذا معلوم ہوا کہ دین اسلام میں عقائد کے بعد عبادات کا درجہ ہے۔جس طرح عقائد باطنی طور پر انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کردیتے ہیں۔اسی طرح ظاہری عبادات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے سامنے بندہ عملی طور پر بندگی کا اظہار کرتا ہے۔

وہ اعمال جن کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرسکتا ہے۔ پانچ ہیں۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَّاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ (۳۳) "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودنہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں،نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا"، اس حوالہ سے پہلا رکن عقیدہ توحید ہے۔جس کے بغیر اسلام اور مسلمانی کا تصور ہی ناممکن ہے۔اس کے بعد نماز کا درجہ ہے۔

نماز:(Salat / Prayer)

عملی ارکان میں نماز سرفہرست ہے۔قرآن پاک میں نماز کے لئے صلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔نماز توحید کا لازمی مظہر اور ایمان کی دائمی علامت ہے۔ اعتقاد کے پہلو سے اگر توحید پورے دین کا سرچشمہ ہے توعمل کے پہلو سے نماز پورے دین کی عملی بنیاد ہے۔اس کا قیام پورے دین کا قیام ہے۔اس لئے قرآن پاک نے نماز کے لئے اقامت کے الفاظ استعمال کئے،جس کا مفہوم یہ ہے کہ نماز کو پورے اہتمام توجہ، یکسوئی اور آداب وارکان کا لحاظ رکھتے ہوئے ادا کرنا ضروری ہے۔(۳۴) سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْاوَعَمِلُوْاالصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ"(۳۵)" جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے اور نماز پڑھتے رہے" سورۃ الاعراف میں ارشاد ہے۔"وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوْا الصَّلٰوةَ "(۳۶)" اور جولوگ کتاب کومضبوط پکڑے ہوئے ہیں۔اور نماز کا التزام رکھتے ہیں"۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی اقامت نماز پر بہت تاکید فرمائی۔"مَنْ تَرَكَ صَلَاةً مَّكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ"

(۳۷)" جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس سے اللہ کا ذمہ بری ہے۔'' ایک اور حدیث میں ہے۔" إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ " (۳۸) '' بے شک انسان اور شرک وکفر کے درمیان علیحدگی پیدا کرنے والی چیز نماز ہے۔'' سورۃ المدثر میں ارشاد ہے کہ قیامت کے دن فرشتے اہل دوزخ سے پوچھیں گے کہ'' مَاسَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرِ o " (۳۹) ''تمہیں جہنم میں کس چیز نے ڈالا؟'' تو وہ جواب دیں گے' قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ o " (۴۰) ''ہم نمازیوں میں سے نہ تھے۔''

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جنتی اور جہنمی ہونے کا دارو مدار ایمان اور کفر پر ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قیامت کے دن ایمان اور نماز لازم وملزوم ہیں۔ نماز کی ایک بڑی اہمیت یہ بھی ہے کہ یہ پوری شریعت کے جذبہ اتباع کا سرچشمہ بھی ہے اور اُس کی محافظ بھی ۔ وہ اگر ادا ہوگی تو شریعت کے باقی احکام بھی ادا ہوسکیں گے اور اس کا حق ادا نہ ہوا تو باقی شریعت بھی غفلت کی نذر ہونے سے نہ بچ سکے گی۔(۴۱) اُس کی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ یہ اللہ کی یاد کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ سورۃ طٰہٰ میں ارشاد خداوندی ہے۔"اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ" o (۴۲) ''میری یاد کے لئے نماز پڑھا کرو۔''

اور اسی کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرتا ہے۔ اور یہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے اتنے قریب کر دیتی ہے۔ کہ اتنی قربت کسی بھی دوسرے عمل کے ذریعے حاصل نہیں ہوسکتی۔

حدیث میں ہے۔ "أَقْرَبُ مَايَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ" (۴۳)''ایک بندہ اس وقت اپنے رب کے بہت قریب ہوتا ہے جب وہ حالت سجدہ میں ہو''۔

ایک حدیث میں آیا ہے۔'' إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلّٰى يُنَاجِيْ رَبَّهٗ "(۴۴)'' بے شک جب آپ میں سے کوئی نماز پڑھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کرتا ہے''۔ علاوہ ازیں نماز کے بہت سے دوسرے فوائد بھی ہیں۔

فوائد:

۱۔**مومن کی معراج:** نماز مؤمن کی معراج ہے۔ معراج کے معنی ہیں سیڑھی یعنی نماز ترقی کا ذریعہ ہے اور اس کے ذریعے مومن اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرتا ہے۔

۲۔**رحمتوں کا حصول:** نماز اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے سمیٹنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

۳۔**گناہوں سے پاکی:** نماز کے ذریعے بندہ گناہوں سے اس طرح پاکی حاصل کرتا ہے جس طرح بدن سے پانی کے ذریعے میل کچیل دور کیا جاتا ہے۔

۴۔**معرفت الٰہی:** جب نماز کے افعال حضور قلب اور نیت صالحہ کے ساتھ انجام دیئے جائیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اعتقاد پیدا ہوتا ہے۔

۵۔ **آفات سے بچاؤ:** نماز کا باقاعدہ اہتمام انسان کو دنیاوی آفات اور برائیوں سے بچاتی ہے۔

۶۔**خواہشات کو لگام:** نماز کے ذریعے حیوانی خواہشات کو لگام دی جاسکتی ہے۔ (۴۵)

۷۔ **نظم وضبط:** نماز نظم وضبط یعنی ڈسپلن اور اطاعت کی بہترین عملی صورت فراہم کرتی ہے۔

۸۔ **بھائی چارہ:** معاشرہ میں بھائی چارہ کا ماحول اس وقت پیدا ہوتا ہے۔ جب معاشرے کے افراد یکجا ہوکر ایک ہی انداز میں سوچیں۔ اور یہ کام نماز ہی کی صورت میں ممکن ہے۔ جب لوگ مسجد میں اپنے خالق و مالک کے سامنے ایک ہی انداز میں عبادت کرتے ہیں تو خود بخود ان میں محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

۹۔ **مساوات:** نماز ہمیں مساوات کا درس دیتی ہے۔ ایک ہی صف میں تمام مسلمان اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ باندھ کر اس طرح کھڑے ہوتے ہیں۔ کہ نہ اس میں مالدار کا فرق ملحوظ رکھا جاتا ہے اور نہ غریب کا۔ نہ رنگ کا اور نہ نسل وغیرہ کا۔ اور یہی ایک فلاحی معاشرہ کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

۱۰۔ **عاجزی:** نماز عاجزی کے اظہار کا عملی مظاہرہ ہے بندہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے تو اس کو یہ احساس شدت کے ساتھ ہوتا ہے، کہ میں اللہ تعالیٰ کا عاجز بندہ ہوں کیونکہ نماز کے ہر ہر رکن میں عاجزی کا پہلو نمایاں ہے۔

۱۱۔ **مسلمان سے ہمدردی:** باجماعت نماز ہمیں موقع فراہم کرتی ہے کہ ایک دوسرے کی خیر وعافیت دریافت کریں اور اگر کسی مسلمان بھائی کو کوئی مسئلہ درپیش ہے تو اُس کی بروقت مدد کی جاسکے۔

نماز باجماعت کے فوائد:

نماز باجماعت کے بہت سے فوائد ہیں۔ اور یہ فوائد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک نماز کو اس کے تمام تقاضوں کے مطابق ادا نہ کیا جائے۔ نماز کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ''اقامت'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ صرف قبلہ رُو ہونا اور چند ارکان ادا کرنے سے نماز نہیں ہوتی۔ بلکہ مطلوب نماز وہ ہے کہ جسے تمام ظاہری اور باطنی صفات کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اگرچہ نماز اکیلے طور پر پڑھنا جائز ہے لیکن احادیث میں باجماعت نماز کی تاکید اس لئے آئی ہے تاکہ نماز کی حقیقی معنوں میں اقامت ہوسکے۔ کیونکہ باجماعت نماز کی ادائیگی سے دنیوی اور اخروی دونوں فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اکیلے نماز کی بجائے باجماعت نماز پڑھنا ستائیس گنا ثواب کا درجہ رکھتی ہے۔ (۴۶) اسی طرح جو نماز وضو کرتے وقت مسواک کے استعمال سے پڑھی جائے۔ ستر درجہ افضل ہے اس نماز سے جو بغیر مسواک پڑھی جائے۔ (۴۷)

۲۔ باجماعت نماز پڑھنے سے انسان میں وقت کی پابندی کی عادت پڑتی ہے۔ اور اُس کی روزانہ کی زندگی ایک ترتیب اختیار کرتی ہے۔

۳۔ آج کی مصروف زندگی میں نماز باجماعت ایک دوسرے کی خیر وعافیت جاننے کا ایک بہترین موقع ہوتا ہے۔ جو شخص مسلسل مسجد آتا ہے اور پھر کسی وجہ سے آنا بند کرتا ہے۔ تو اُس کے قرب وجوار کو پتہ ہوتا ہے۔ اور اگر اُس کو مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو اُس کی بروقت مدد کی جاسکتی ہے۔

۴۔ نماز باجماعت کی ادائیگی کا بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ مسجد میں مختلف مہارتوں کے حامل افراد آتے ہیں۔ اور روزانہ کے میل

ملاپ سے ان کی مہارتوں کو معاشرے کے فلاح و بہبود کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ نماز باجماعت کی ادائیگی سے معاشرے میں اجتماعیت کی سوچ پروان چڑھتی ہے۔ اور تمام معاشرہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔

۶۔ نماز باجماعت کی ادائیگی سے مسلمانوں کے اندر ایک ڈسپلن قائم ہوتا ہے کہ ایک ہی امام کے پیچھے صف باندھے کھڑے ہوتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ چند جوانوں سے کہوں کہ بہت سا ایندھن اکٹھا کریں۔ پھر میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو بغیر عذر کے گھروں میں نماز پڑھتے ہیں اور جا کر ان کے گھروں کو جلادوں۔(۴۸)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی اپنے گھر میں طہارت (وضو) کرے پھر وہ اللہ کے گھروں میں سے کسی ایک گھر کی طرف چلے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے ایک فریضہ کو پورا کرے تو ان کے قدموں میں سے ایک قدم سے گناہ مٹیں گے اور دوسرے قدم سے اس کا ایک درجہ بلند ہوگا۔(۴۹)

زکوٰۃ: (Zakat / Obligatory Charity)

اسلامی عبادات میں ایک اہم رکن زکوٰۃ بھی ہے۔ زکوٰۃ دراصل انسانوں کے درمیان ہمدردی اور باہمی امداد و معاونت کا نام ہے۔ زکوٰۃ کا دوسرا نام صدقہ بھی ہے جس کا اطلاق ہر مالی جسمانی امداد و نیکی پر بھی ہوتا ہے۔ لیکن فقہی اصطلاح میں ''زکوٰۃ'' صرف اس مالی امداد کو کہتے ہیں جو ہر اُس مسلمان پر واجب ہے جو دولت کی ایک مخصوص مقدار (جس کو صاحب نصاب کہتے ہیں) کا مالک ہو۔

قرآن پاک میں کئی مقامات پر ایمان کے بعد صرف دو اعمال صالحہ ایک نماز اور دوسرے زکوٰۃ کا تذکرہ آتا ہے۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''**اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ**''(۵۰) ''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے، نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے۔ ان کو ان کے کاموں کا صلہ خدا کے ہاں ملے گا''

احکام دین کی دو اقسام ہیں ایک قسم ان احکام کی ہے جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہے دوسری قسم ان احکام کی ہے جن کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے۔ دین کی پیروی دراصل اس بات کا نام ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اس کے بندوں کے حقوق دونوں سے عہدہ برآ ہو جائے۔ نماز حقوق اللہ کا اور زکوٰۃ حقوق العباد کا مغز اور جوہر ہے۔ اگر ایک شخص نے مسجد میں نماز کا حق ادا کر دیا تو ممکن نہیں کہ وہ مسجد سے باہر آ کر اللہ تعالیٰ کے حقوق بھول جائے۔ اسی طرح جس نے زکوٰۃ کا حق ادا کر دیا اس سے یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے حقوق پامال کرے۔ نماز انسان کو اللہ تعالیٰ اور آخرت کی طرف لے جاتی ہے اور زکوٰۃ اسے دنیا سے بے رغبتی کی طرف جھکاتی ہے۔

زکوٰۃ کے مقاصد:

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے تین مقاصد ہیں۔

۱۔ تزکیہ نفس:

صدقہ وزکوٰۃ کا اصل مقصد دل کی پاکی اور نفس کا تزکیہ ہے۔ دنیا کی محبت انسان کو خدا اور دنیا سے بیگانہ کرکے رکھ دیتی ہے لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی دل کا دنیا کی حرص سے پاک رکھنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔

سورۃ اللیل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى o اَلَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى '' o(۵۱) ''اور جو بڑا پرہیزگار ہے وہ (اس سے) بچالیا جائیگا۔ جو اپنا مال دیتا ہے تاکہ پاک ہو''۔ سورۃ التوبہ میں یوں ارشاد ہے:

''خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا'' o (۵۲) ''ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کرلو۔ کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو''۔

۲۔غریبوں کی کفالت

یہ زکوٰۃ کا ایک اجتماعی اور معاشی پہلو بھی ہے۔ اور اس کے بغیر زکوٰۃ کا اسلامی تصور ممکن نہیں ہوتا جب ایک شخص اپنے مال میں سے زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نکالتا ہے اور اسے زکوٰۃ کے حقداروں میں تقسیم کرتا ہے اس سے ان کی کفالت اور حاجت روائی ہوتی ہے۔(۵۳) قرآن مجید نے زکوٰۃ کو غریبوں کا حق قرار دیتے ہوئے سورۃ المعارج میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ فِىْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ o لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ o ''(۵۴) ''اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے (یعنی) مانگنے والے کا، اور نہ مانگنے والے کا''۔

۳۔دین کی نصرت

زکوٰۃ کے جو مصارف قرآن پاک میں بیان ہوئے ہیں ان میں ایک اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر کی جانے والی جدوجہد میں صرف کرنا ہے۔ قرآن پاک میں اہل ایمان سے جگہ جگہ یہ مطالبہ کیا گیا ہے ''اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ذریعے جہاد کرو۔

''وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ''o(۵۵) ''اور خدا کے راستے میں مال اور جان سے جہاد کرو۔''

زکوٰۃ کی ادائیگی میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں مثلاً یہ کہ

۱۔ جب کوئی مسکین اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حاجت روائی کے لئے دعا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اُس کی دعا کو شرف قبولیت بخشتا ہے تو کسی مالدار انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ یہ بات ڈال دیتا ہے کہ اس مسکین کی مدد کرنی چاہیئے جب صاحب مال اس پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتا ہے اور اس پر اپنی رحمتوں کا نزول فرماتا ہے۔

۲۔ مال کی محبت اور بخل نفسانی بیماریوں میں سے ایک خطرناک بیماری ہے اور اس بیماری کا علاج یہی ہے کہ وہ اپنی محبوب ترین چیز کو راہ حق میں خرچ کرنے کی کوشش کرے۔ سورۃ الاعمران میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ o (۵۶)''(مومنو!) جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمھیں عزیز ہے (راہِ خدا میں) صرف نہ کرو گے کبھی نیکی

حاصل نہ کرسکو گے''۔

۳۔ زکوٰۃ مصیبتوں اور آفات ٹالنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مال خرچ کرتے ہیں تو اس وجہ سے وہ بہت سے مصائب اور مشکلات سے چھٹکارا حاصل کرتے ہیں۔ (۵۷)

روزہ: (Saum / Fasting)

شریعت میں روزہ کا اصطلاحی نام ''صوم'' جس کی جمع ''صیام'' ہے اس کے لغوی معنی ''رکنے'' کے ہیں اس عمل کو صیام اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں انسان صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جنسی ملاپ سے رکا رہتا ہے۔ (۵۸)

روزوں میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی مصلحتیں رکھی ہیں۔ ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں

۱۔ تقویٰ کا سرچشمہ:

روزہ انسان میں خدا ترسی کی صفت اور تقویٰ کا جوہر پیدا کرتا ہے۔ سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

'' یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ o (۵۹) '' مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے۔ تاکہ تم پرہیزگار بنو''۔

درحقیقت تقوی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کے اس گہرے احساس کا نام ہے جو آدمی کو ہر بھلے کام پر ابھارتا ہے اور ہر برے کام سے روکتا ہے۔ اللہ کی ناراضگی سے بچنے اور اس کی خوشنودی حاصل کر لینے کی یہ خواہش اور کوشش اس وقت پوری ہوسکتی ہے جب کہ انسان اپنے آپ کو قابو میں رکھے اور نفس کو من مانی سے روکے۔ یہی تقوی کا مقام پالینے کا راستہ ہے اس لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے آپ کو لگام لگائے اور اپنی خواہشوں کو آزادانہ نہ چھوڑے۔ (۶۰)

قرآن پاک میں روزہ کو تقویٰ حاصل کرنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ روزہ رکھتے ہیں ان میں تقوی کی صفت پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ اَلصَّوْمُ جُنَّۃٌ (۶۱) روزہ (دنیا میں گناہوں اور آخرت میں دوزخ سے بچانے والی) ڈھال ہے۔

۲۔ ریا سے پاکی۔ روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ جس میں ریا نہیں ہے۔ اور یہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ کسی عبادت میں ریا کا نہ ہونا بندے کو خدا سے قریب کر دیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: لَیْسَ فِیْ الصِّیَامِ رِیَآءٌ (۶۲) روزہ میں ریا نہیں۔ اسی وجہ سے اس کا اجر و ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

''کُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَم یُضَاعَفُ الْحَسَنَۃُ بِعَشَرَ أَمْثَالِھَا إِلَی سَبْعِمِائَۃِ ضِعْفٍ إِلَی مَاشَاءَ اللّٰہ یَقُوْل اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ إِلَّا الصَّوْم فَإِنَّہُ لِيْ وَأَنَاأَجْزِيْ بِہٖ یَدَعُ شَھْوَتَہُ و طَعَامَہُ مِنْ أَجْلِيْ ''o (۶۳) ''انسان کے ہر عمل کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ملے گا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لیکن روزہ اس سے مستثنیٰ ہے لہذا وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اُس کا بدلہ دونگا کیونکہ انسان اپنی شہوت نفس اور اپنا کھانا میری ہی خاطر روکے رکھتا ہے''۔

۳۔ یقین محکم۔ روزہ اللہ تعالیٰ کی صفت حاکمیت کے یقین کو مضبوط تر کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبح سویرے اُٹھ کر سحری

کرنے کے بعد تمام دن خاص پابندیوں میں گزارنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا حاکم مطلق سمجھتا ہے اور بلا چوں وچرا اس پر عمل پیرا ہوتا ہے۔حکم اور تعمیل حکم کا یہ ایک غیر معمولی مظاہرہ ہے۔

۴۔**ہمدردی۔** اس سے معاشرہ میں ہمدردی اور مواخات کی ایک لہر پیدا ہوتی ہے اس سے مالداروں کو عملی طور پر اس کا احساس ہوتا ہے کہ فاقہ اور بھوک کسے کہتے ہیں اور ان اللہ تعالیٰ کے بندوں پر کیا گزرتی ہوگی جن کے پاس کھانے اور پینے کیلئے کچھ نہیں ہوتا۔یہ عملی تجربہ اور یہ احساس قدرتی طور پر ان کے اندر یہ عزم پیدا کردیتا ہے کہ اپنے غریب اور نادار بھائیوں کو ان کے حال پر نہ چھوڑے۔اسی طرح انسانی ہمدردی اور انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ روزہ میں مضبوط ہوتا جاتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے مہینے کو اسی بناء پر ''شَهْرُ الْمُوَاسَاتُ'' (۶۴) یعنی ہمدردی کا مہینہ فرمایا ہے۔

۵۔**مساوات۔** روزہ مساوات کے شعور کو بھی مضبوط تر کردیتا ہے۔اس مہینہ میں امیر،غریب، خاص اور عام،غرض امت کے سارے افراد ایک سی حالت میں ہوتے ہیں۔سب کے چہروں سے ایک اقتدار اعلیٰ کی محکومی کا اعلان ہورہا ہوتا ہے۔

۶۔**جہاد کی تیاری۔** روزہ مومن کو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تیار کرتا ہے۔جہاد میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بھوک، پیاس اور بے آرامی کی مشقتیں جھیلنی پڑتی ہیں۔اپنی دولت کو خرچ کرنا پڑتا ہے حتی کہ اپنی جان کو قربان کرنا ہوتا ہے یہ مشکل کام اس وقت سر ہوسکتا ہے جب انسان میں صبر اور برداشت کا مادہ ہو۔اور روزہ ہی اسی صفت کو پیدا کرنے میں ممد ومعاون ہے۔

۷۔**ملی اجتماعیت۔** رمضان کا مہینہ مسلمانوں کے اندر ملی اجتماعیت کے احساس کو اُجاگر کرتا ہے اور مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ تم سب ایک ہی مشن کے علمبردار ہو۔کیونکہ روزہ رکھنے کی جو شکل بنتی ہے کہ سارے لوگ ایک ہی مقررہ مہینے میں ایک ساتھ روزہ رکھتے ہیں اور ایک ہی وقت میں افطاری کرتے ہیں جو کہ اجتماعیت کی ایک بہترین صورت ہے۔ (۶۵)

روزہ کے تقاضے

روزوں کے فوائد اور ثمرات اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتے جب تک ان کے تقاضوں کے مطابق نہ رکھا جائے۔اس کے لئے ضروری ہے کہ نیت میں خلوص ہو۔دل میں اللہ تعالیٰ کی معبودیت کا یقین ہو، اطاعت کا جذبہ ہو، رضائے الٰہی کی طلب ہو اور فلاح آخرت کی آرزو ہو۔دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ روزہ صرف کھانے، پینے اور ازدواجی تعلقات سے روکنے کا نام نہیں بلکہ اُس کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ روزہ دار کے سامنے صرف رضا الٰہی ہو تب وہ حقیقی روزہ شمار ہوگا۔اور اگر یہ عنصر مفقود ہو تو یہ صرف فاقہ ہوگا عبادت نہیں ہوگی۔

روزہ کے حوالے سے مریضوں کیلئے فقہی مسائل اور ان کا حل:

جس بیمار کی بیماری بڑھنے کا اندیشہ ہو تو اسے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے مگر جب تندرست ہوجائے تو بعد میں ان روزوں کی قضاء اس کے ذمے لازمی ہے۔جو شخص اتنا ضعیف العمر ہو کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یا ایسا بیمار ہو کہ روزہ رکھ سکتا ہو اور نہ تندرست ہونے کی امید ہو تو وہ روزے کا فدیہ ادا کریگا۔فدیہ سے مراد یہ ہے کہ ہر روزے کے بدلے کسی مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلائے (۶۶)۔جو عورت اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہے اور روزہ رکھنے سے اسے یا بچے کو کسی نقصان کا اندیشہ ہو تو وہ

عورت روزے نہ رکھے۔البتہ بعد میں قضاء رکھے۔اس طرح حاملہ عورت اپنے بچے کی پیدائش کے بعد روزہ کی قضاء رکھے گی (٦٧) انجکشن اور ڈرپ اشد ضرورت کے وقت لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ پیشاب کی بیماری روزہ میں رکاوٹ نہیں۔ زبان سے کسی چیز کا ذائقہ چکھ کر تھوک دیا تو روزہ نہیں ٹوٹتا مگر بغیر ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے۔ دانت نکلوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔البتہ خون حلق سے نیچے چلا جائے تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔اگر خون منہ سے نکل رہا تھا اور اس کے ساتھ نگل لیا۔تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔اگر خون کی مقدار تھوک سے کم ہو اور حلق میں خون کا ذائقہ محسوس نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ناک اور کان میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔جبکہ آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔کیونکہ ڈالی گئی دوا براہ راست حلق تک نہیں پہنچتی۔(٦٨) روزہ میں بواسیر کے ان مسوں پر دوا لگانا جائز ہے جو باہر نکل آتے ہیں۔آلے کے ذریعے داخل کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔اسی طرح پیٹ کی صفائی کے لئے انیما لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔(٦٩) مرگی کا دورہ پڑنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔(٧٠) جن مریضوں میں دل کی بیماری معمولی نوعیت کی ہو یا کنٹرول میں ہو۔صبح وشام دوائی کے استعمال سے وہ ٹھیک رہتا ہے اور انھیں سانس لینے کی تکلیف نہ ہوتی ہو۔انہیں روزہ رکھنا چاہئے۔ایسے مریض جن میں بیماری زیادہ ہو وہ روزے نہ رکھے۔ بعد میں جب طبیعت بہتر ہو تو روزے کی قضاء رکھی جائے۔دل کی وہ بیماریاں جن میں مکمل صحت یابی کا امکان کم ہوتا ہے مثلاً ایسے مریضوں کو فدیہ ہی دینا چاہئے۔جس بیماری میں مریض کو انجائنا کی شکایت ہو۔صبح وشام دوائی کے ساتھ اگر درد کنٹرول ہو سکے تو روزے رکھ لے۔لیکن اگر دوا کے استعمال کے باوجود بھی درد ہو جائے تو روزہ توڑ سکتے ہیں۔گردوں میں پتھری کے جن مریضوں کو روزہ کے دوران پانی کی کمی سے شدید درد ہو جاتا ہے انہیں رمضان کی بجائے دوسرے مہینوں میں، جب موسم سرد ہو اور دن چھوٹے ہوں قضاء روزے رکھنا چاہئے۔جن مریضوں کے گردے صحیح کام نہیں کرتے یا جن کو گردوں کی خرابی کی وجہ سے مشین کے ذریعے بار بار خون کی صفائی (Dialysis) کروانا پڑتی ہے۔انہیں روزہ رکھنے سے اجتناب کرنا چاہے اور فدیہ دینا چاہیے (٧١)۔البتہ ایسے مریض جو اس بیماری سے مکمل صحت یاب ہو جائیں وہ ڈاکٹر کے مشورے سے قضاء روزے ضرور رکھیں۔اگر چہ پہلے فدیہ دے چکے ہوں یرقان بذات خود ایک بیماری نہیں ہے بلکہ دیگر بیماریوں کی علامت ہے اس صورت میں روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ اصل مرض کی نوعیت اور شدت پر ہوگا۔طویل مدتی ہیپاٹائٹس (Chronic Hepatitis) کے وہ مریض جنہیں کوئی پیچدگی نہ ہو اور معالج ان کے علاج کے لئے انجکشن یا ادویات کا کورس رمضان کے بعد شروع کرنے کا مشورہ دے تو وہ روزے رکھ سکتے ہیں۔(٧٢) شدید ہیپاٹائٹس (A,B,C,E) ہو یا دواؤں کے مضر اثرات ہوں، دونوں صورتوں میں روزہ نہ رکھنے کی گنجائش موجود ہے۔البتہ اگر جگر کے پرانے عارضے مثلا (Cirrhosis) کے وہ مریض جنہیں پیچیدگی ہو مثلا پیٹ میں پانی کا جمع ہونا (Ascites) یا نیم بے ہوشی کی صورتحال پیدا ہوگئی ہو تو انہیں روزہ نہیں رکھنا چاہیے اور فدیہ دینا چاہئے (٧٣) اس کے علاہ اگر دیگر کوئی مسائل پیش آئیں تو دین دار ڈاکٹر اور مفتیان صاحبان سے رجوع کرنا چاہئے۔مریض کی صحت کو مدنظر رکھ کر ڈاکٹر متبادل طریقہ علاج بھی تجویز کریں کہ علاج کے ساتھ ساتھ مریض اپنا روزہ بھی مکمل کر سکے اور اس کی صحت پر مضر اثرات بھی مرتب نہ ہو سکیں۔

حج:(Hajj / Pilgrimage)

''حج'' اسلام کا پانچواں اور آخری رکن ہے حج کے لغوی معنیٰ ''زیارت کا ارادہ کرنے'' کے ہیں۔شریعت کی اصطلاح میں حج کی عبادت کو حج اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں انسان کعبہ کی زیارت کا ارادہ رکھتا ہے۔(۷۴)حج ہر اس بالغ مسلمان پر زندگی میں ایک بار فرض ہے جو مکہ تک آنے جانے کی مالی اور بدنی قدرت رکھتا ہو۔اگر کوئی شخص قدرت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتا تو وہ اپنے مسلمان ہونے کو جھٹلاتا ہے۔سورۃ الاعمران میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ o (۷۵) اورلوگوں پر خدا کا حق (یعنی فرض) ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے وہ اس کا حج کرے۔اور جو اس حکم کی تعمیل نہ کرے گا تو خدا بھی اہل عالم سے بے نیاز ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔مَنْ لَمْ يَحْبسهُ مرض أَوْ حَاجَة ظَاهِرَة أَوْ سُلْطَان جَائِر وَلَمْ يحجّ فليمت إِن شَاءَ يُهُودِيّا وَإِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا (۷۶) جس کسی کو بیماری نے یا کسی واقعی ضرورت نے یا کسی ظالم حکمران نے روک نہ رکھا ہو اور اُس کے باوجود حج نہ کرے۔چاہے وہ یہودی مرے یا نصرانی۔اور جو شخص اس فریضہ کو صحیح طریقہ سے ادا کرتا ہے تو اس کے لئے جنت کی بشارت ہے۔

اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاءٌ اِلَّاالْجَنَّةَ o (۷۷) حج مبرور کا صلہ صرف جنت ہی ہے۔

حج کی اہمیت بہت سی وجوہات کی وجہ سے ہے سب سے بڑی وجہ زیارت کعبہ ہے۔

کعبہ وہ گھر ہے جس کی تعمیر حضرت ابراھیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی تھی۔سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے۔ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ o (۷۸) اور جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کررہے تھے۔

اور جب اس گھر کی تعمیر ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراھیمؑ کو سورۃ الحج میں حکم دیا کہ وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ o (۷۹) اورلوگوں میں حج کیلئے ندا کردو۔

درحقیقت یہ بہت برکتوں والا گھر ہے۔سورۃ الاعمران میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ o (۸۰) پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔وہی ہے۔جو بکے (مکہ) میں ہے۔بابرکت اور جہاں کے لئے موجب ہدایت۔

اسی گھر کے قریب حضرت ابراہیمؑ نے حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو جابسایا۔اور پھر حضرت ابراہیمؑ نے دعا فرمائی،سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے۔رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ o (۸۱) اے پروردگار ان (لوگوں) میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیجئے جو اُن کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے۔اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور اُن (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی جو رسول اللہ ﷺ کی شکل میں ظاہر ہوئی۔

مقاصد حج:

۱۔ حاجی سب سے پہلے احرام کا سادہ لباس پہنتا ہے جو ایک طرف انسان کو فقیری کے احساس کا درس دیتا ہے جب کہ دوسری طرف فداکاری کے جذبہ کا ایک کھلا نشان ہے۔ حاجی کے لباس کی یہ ہئیت خود بولتی ہے کہ وہ اللہ ہی کے دروازے کا بھکاری ہے اور اس کے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہے۔

۲۔ احرام کا سادہ لباس مساوات کا عظیم الشان پیغام لئے ہوئے ہے۔ دنیا کی مختلف اقوام جب اپنا مخصوص علاقائی لباس اتار کر ایک ہی قسم کے کپڑے پہن لیتی ہیں اور ایک ہی نعرہ ''لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ'' (میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں) لگا کر اسلامی قومیت کا عملی نمونہ پیش کرتے ہیں۔ حقیقت میں اس بات کا اعلان ہے کہ یہ ناچیز بندہ اپنے آقا کے حکموں پر بے چوں و چرا عمل کرتا ہے۔

۳۔ جب کعبہ پر نظر پڑتی ہے تو تصور کی نگاہوں میں سب کچھ آجاتا ہے جو اس کی تعمیر سے وابستہ ہے انسان کو یاد آتا ہے کہ میں اسی امت کا ایک فرد ہوں جس کے ظہور کیلئے حضرت ابراھیمؑ نے دعا کی تھی۔ جس کا نام انہوں نے ''امت مسلمہ'' رکھا تھا۔

۴۔ حاجی جب اس مخصوص لباس میں طواف کرتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ کے دربار میں فرمانبرداری کی مجسم صورت بن گیا ہے اور وہ اپنے مالک کے اشاروں پر نثار ہونے کیلئے بے تاب ہے۔ کعبہ کے گرد طواف ہمیں یہ یقین دلاتا ہے کہ جس طرح اللہ کا دین ایک ہے اس طرح اس دین پر ایمان رکھنے والے بھی بظاہر ہزار اختلافات کے ایک ہیں۔ سب کا محور ایک ہے سب ایک مرکز سے وابستہ ہیں اور سب کی وفاداریاں اور جاں نثاریاں ایک ہی ذات کیلئے وقف ہیں۔

۵۔ صفا اور مروہ کے درمیان ''سعی'' اس عزم کا اظہار ہے کہ حضرت ابراھیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا راستہ ہی ہمارا راستہ ہے اور اس راستے پر چلنے میں ہم اپنے قدموں کو سست نہیں ہونے دیں گے۔

۶۔ حجاج کا منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں جمع ہونا امت مسلمہ کی منظّم اجتماعیت کا مظہر ہے اور اس بات کا اعلان ہے کہ اسکی ساری توانائیاں اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لئے اور اس کے دین کی نصرت و اقامت کیلئے مخصوص ہیں۔

۷۔ جمرات کے ستون پر کنکریاں مارنا اور کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہہ کر اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعلان کرتے جانا، گویا اپنے اس عزم اور اس فیصلے سے دنیا کو خبردار کرنا ہے کہ جو کوئی اللہ کے دین پر ترچھی نگاہیں ڈالے گا ہم اُس کا منہ پھیر دیں گے اور جو اس کی بنیادیں ڈھانا چاہے گا ہم اسے پیس کر رکھ دیں گے۔

۸۔ وقوف عرفات کے بعد اگلے دن قربانی کرنا اس بات کا خاموش اقرار ہے کہ ہماری جان اللہ تعالیٰ کی راہ میں نذر ہو چکی ہے اور جب وہ اس کو طلب کریگا ہم بلا تامل پیش کریں گے۔ (۸۲)

وقوف عرفات کی اہمیت:

۹ ذی الحجہ کو تمام حجاج عرفات کے میدان میں وقوف کرتے ہیں۔ اس سے مسلمانوں کی اجتماعیت کا عجیب اظہار ہوتا ہے۔ کیونکہ تمام حجاج ایک ہی لباس میں ایک امام کا خطبہ سن کر اُس کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں وقوف عرفات گویا کہ ہمیں آخرت کی یاد دلاتی ہے کہ ایک دن

ایسا بھی آئے گا کہ تمام لوگوں کو اکٹھا کر کے ان کے سابقہ اعمال کا حساب وکتاب لیا جائے گا۔گویا کہ یہ اخروی زندگی کی ایک ریہرسل ہے۔یہی وجہ ہے کہ مناسک حج میں اس کی بہت اہمیت ہے۔اور اسکے چھوٹنے سے حج کی تکمیل نہیں ہوتی۔حضورﷺ نے فرمایا**اَلْحَجُّ عَـــرَفَةُ** (۸۳) حج عرفہ ہے یعنی اس سے مراد وقوف عرفہ ہے۔یہ دن ہمیں مسلمانوں کے اندر اتفاق اور اتحاد کا درس بھی دیتا ہے۔ رسول اللہﷺ نے اپنے مشہور خطبہ حجۃ الوداع کے اکثر احکامات یہی پر ارشاد فرمائے تھے۔جس کو عصر حاضر کے تناظر میں اگر بنیادی انسانی حقوق کا منشور کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

حج کی جامعیت:

حج کے تمام مناسک اور افعال پر اگر نظر ڈالی جائے تو اس سے واضح ہوگا کہ اس پر عبادت اور ہر عمل خیر کی روح موجود ہے۔

۱۔**توحید**۔ یہ توحید کا بڑا درس بھی ہے۔کیونکہ کعبہ کی تعمیر ہی توحید پر ہوئی اور اسے دیکھتے ہی مومن کے دل میں وحدانیت کی روح جاگ اُٹھتی ہے۔

۲۔**نماز**۔ یہ نماز بھی ہے کیونکہ نماز کی حقیقت اللہ کا ذکر ہے اور حج ذکر الٰہی سے بھرا ہوا ہے۔جس طرح نماز ذکر الٰہی ہے اسی طرح حج بھی ذکر الٰہی ہے۔

۳۔**زکوٰۃ**۔ یہ زکوٰۃ بھی ہے جو محض اللہ کی رضا کی خاطر اپنی دولت خرچ کی جاتی ہے کیونکہ زکوٰۃ کی حقیقت بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنی دولت خرچ کی جائے۔

۴۔**روزہ**۔ حج روزہ بھی ہے کیونکہ روزہ کا اصل مقصد نفس کی خواہش کو قابو کرنا ہے اور حج کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے۔

۵۔**آخرت**۔ یہ آخرت کی یاد دہانی بھی ہے کیونکہ حاجی ہر لمحہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کو یاد کرتے ہیں اور جنت کی دعا اور جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔

۶۔**ایمانی صفات**۔ یہ ایمانی صفات مثلاً حب الٰہی صبر، رضا، فقر، توکل، دنیا سے بے رغبتی، آپس کی ہمدردی اور انسانی مساوات کا درس دیتا ہے۔(۸۴)

جہاد کا مفہوم اور اس کی اہمیت:

(Jehad/Holy War Definition & Importance)

ایک مسلمان کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی سے عبارت ہونی چاہیے ان احکامات پر عمل کرنا ایک انفرادی عمل بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جو انفرادی اور اجتماعی کوشش کی جاتی ہے اس کا دوسرا نام جہاد ہے۔ارکان اسلام کے بعد جہاد ہی کا درجہ ہے۔ جہاد 'جہد' سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں کوشش۔ عام طور پر جہاد کو قتال کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے جو پوری طرح صحیح نہیں ہے۔اگرچہ قتال جہاد کی ایک صورت ضرور ہے لیکن صرف قتال ہی جہاد نہیں ہے۔کیونکہ جہاد اس کے علاوہ بھی ہے جس کو تین درجات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) **جہاد مع النفس** (نفس کے خلاف جہاد): یعنی اپنے نفس کی ان خواہشات کے خلاف جدوجہد کرنا جو اسلام اور ایمان

کے منافی ہوں ۔مثلاً اذان کی آواز آتی ہے کہ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، " آؤ فلاح کی طرف" مگر نفس کہتا ہے کہ نہیں ابھی سوتے رہو۔آرام کرو۔اسی طرح سود حرام ہے اور نفس کہتا ہے جب تک تم سود والے اکاؤنٹ یا سودی کاروبار میں پیسے نہ لگاؤ تو کمائی کم ہوگی۔نفس کا ان باتوں سے Resist کرنا اور احکام شریعت پر عمل کرنے کو جہاد بالنفس کہا جاتا ہے اور نبی کریمؐ نے اسے افضل جہاد قرار دیا ہے۔حضورؐ سے پوچھا گیا **اَیُّ الْجِھَادِ اَفْضَلُ یَارَسُوْلَ اللّٰہ** کہ "افضل جہاد کون سا ہے یا رسول اللہ؟" تو آپؐ نے فرمایا: ''**اَنْ تُجَاھِدَ نَفْسَکَ فِیْ طَاعَۃِاللّٰہ**'' (۸۵) یہ کہ تو اپنے نفس سے مجاہدہ کرے۔اور اسے اللہ کا مطیع بنائے" ۔بدقسمتی سے جہاد کا یہ تصور ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا ہے۔جو باقی دو درجات کے لیے وہی حیثیت رکھتا ہے جو عمارت میں بنیاد کی ہوتی ہے۔اگر یہ درجہ کمزور رہا تو اس کمزوری کے نتیجے میں باقی درجات کا ثواب اور نفع بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔

(۲) **مجاہدہ مع الکفر** (کفر کے خلاف جہاد): یعنی نظریاتی سطح پر ایمان کی دعوت دینا۔کفر، الحاد، مادہ پرستی اور اباحیت کے خلاف تبلیغ ،تلقین اور وعظ ونصیحت کرنا.دلائل اور براہین پیش کرنا. لٹریچر لکھنا اور شائع کرنا.اور اسلام کی حقانیت اور کفر کے رد کے لیے میڈیا اور تمام دوسرے ذرائع کو استعمال کرنا سب اسی درجہ کا حصہ ہیں۔ظاہر ہے ان کاموں میں مال بھی کھپے گا، جان بھی کھپے گی اور وقت بھی لگے گا۔اپنے اسی وقت کو صرف کر کے آپ دولت کما سکتے ہیں،لیکن اس کی بجائے آپ یہ وقت اسلام کی دعوت وتبلیغ میں لگاتے ہیں تو یہ سب جہاد کی دوسری منزل یا درجہ ہے۔

(۳) **مجاہدہ مع الکفار** (کافروں کے خلاف جہاد): یہ مرحلہ یا درجہ جہاد کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔اس میں Passive Resistance (صبر) کی حالت بھی ہوسکتی ہے اور حالات کے مطابق Active Resistance بھی۔ جیسے مکہ اور مدینہ کے بے شمار مراحل ہمارے سامنے ہیں۔اس مرحلے میں قتال بھی شامل ہے جس میں ایک مسلمان Active Resistance کے دوران اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور یہ ایمان کا اہم ترین رکن ہے۔یہ بات ٹھیک ہے کہ جنگ ہر وقت نہیں ہوتی لیکن مسلمان کی زندگی میں شہادت کی تمنا موجود ہونا ضروری ہے۔حضورﷺ کا ارشاد ہے: ''**مَن مَّاتَ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِہٖ نَفْسَہٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَۃٍ مِّنَ النِّفَاقِ o**'' (۸۶) جس شخص کی موت اس حال میں واقع ہوئی کہ نہ تو اس نے اللہ کی راہ میں جنگ کی اور نہ ہی اس کے دل میں آرزو پیدا ہوئی تو اس شخص کی موت ایک نوع کے نفاق پر واقع ہوئی"

جہاد شروع تو مجاہدہ مع النفس سے ہوتا ہے لیکن اس کی آخری منزل قتال فی سبیل اللہ ہے۔ یہ نگاہ سے اوجھل نہ ہونے پائے۔اگر چہ اس کی کچھ شرائط ہیں، وہ پوری ہوں گی تو آپ وہاں پہنچیں گے لیکن یہ آرزو دل میں رہنا کہ ہماری زندگی میں وہ مرحلہ بھی آئے کہ شہادت نصیب ہو ایمان کی شرط لازم ہے۔

حالت جنگ اور قدرتی آفات (Disaster) میں معالج کی ذمہ داریاں:

اسلام نے پہلی مرتبہ جنگ (قتال) کے مقصد اور طریقہ جنگ کی تطہیر کی اور قوموں کو زیر کرنے اور ان کی زمین اور اموال پر قبضہ کرنے کے تصور کی بجائے جہاد فی سبیل اللہ کا تصور دیا۔اور نہ صرف یہ بلکہ جنگ (قتال) کے قوانین وضع کئے اور اہل قتال (Combatant) اور غیر اہل قتال (Non Combatant) کا فرق اور آخر الذکر کو قتل نہ کرنے کا حکم دیا۔اور ان کی عملی

مثال حضورﷺ نے اپنی زندگی میں غزوات اور بعد میں خلفائے راشدین نے قائم کی۔ فتح مکہ میں تو وہ نمونہ پیش کیا جس کی مثال رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔ اسلام نے پہلی مرتبہ اہل قتال کے حقوق سے دنیا کو آشنا کیا جس میں چند کا ذکر مناسب ہوگا یعنی غفلت میں حملہ کرنے سے احتراز، آگ میں جلانے کی ممانعت، اذیّت دے کر مارنے کی ممانعت، دشمن کی لاش کو مثلہ کرنے، بے حرمتی کرنے اور اعضاء کی قطع برید کی ممانعت۔ قیدی کے قتل کی ممانعت۔ لوٹ مار کی ممانعت۔ تباہ کاری کی ممانعت۔ قتلِ سفیر کی ممانعت۔ بدعہدی کی ممانعت۔ بدنظمی اور انتشار کی ممانعت وغیرہ اور ساتھ ہی وحشیانہ افعال کے خلاف عام ہدایات دیں۔

ان قوانین میں نہ صرف یہ کہ آج تک کوئی اضافہ کیا جا سکا بلکہ جدید زمانہ کے تمام قوانین ان سے بہتر تو کیا ان کے مقابلے میں بھی کوئی قانون نہ لا سکے۔ (۸۷)

اگر چہ ایک مسلمان کی تمام زندگی جہاد سے عبارت ہے۔ کہ وہ کسی نہ کسی صورت میں اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر اپنی استطاعت کے مطابق جدوجہد میں لگا رہتا ہے۔ لیکن بعض ناگزیر حالات میں وہ جہاد کے عملی میدان میں اترتا ہے۔ اس صورت میں بھی اسلام ہمیں دشمن کے بارے میں واضح ہدایات دیتا ہے کہ چاہے حالات کچھ بھی ہوں، عدل کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیئے۔ اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے جنگ کے لئے بھی قانون اور اخلاق کے لئے بھی بنیادیں فراہم کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ المائدہ میں فرماتا ہے۔ **وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى** (۸۸) اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے۔

دین اسلام جسطرح قتل ناحق کو سختی سے منع کرتا ہے اسی طرح میدان جنگ میں اہل قتال کے بہت سے حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ مثلاً: حدیث میں ہے کہ رسول اللہﷺ جب کسی دشمن قوم پر رات کے وقت پہنچتے تو جب تک صبح نہ ہو جاتی حملہ نہ کرتے تھے۔ (۸۹)

۱۔ آگ میں جلانے سے ممانعت:

رسول اللہﷺ نے فرمایا۔ آگ کا عذاب دنیا میں سوائے آگ کے پیدا کرنے والے کے کسی اور کو سزاوار نہیں۔ (۹۰)

۲۔ مثلہ کی ممانعت:

حدیث میں ہے کہ رسول اللہﷺ نے لوٹ کے مال اور مثلہ (قطع اعضاء) سے منع فرمایا۔ (۹۱)

۳۔ قتل اسیر کی ممانعت:

فتح مکہ کے وقت رسول اللہﷺ نے اعلان فرمایا کہ کسی مجروح پر حملہ نہ کیا جائے کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرے وہ امان میں ہے۔ (۹۲) اسی طرح اسلام نے باندھ کر قتل کرنے اور تکلیفیں دے دے کر قتل کرنے اور سفیر کے قتل سے منع فرمایا حالتِ جنگ میں بھی بدعہدی کی ممانعت

فرمائی اور اس کو بدترین گناہ شمار کیا گیا ہے۔اس حوالے سے خاص طور پر معالج کی جو ذمہ داری بنتی ہے وہ یہ کہ حالت جنگ میں خواہ زخمی مسلمان ہو یا غیر مسلم بہر حال اس کا خیال رکھے اور حتیٰ الوسع اس کا علاج کرے۔

اسلامی تاریخ بھی ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ انھوں نے کبھی بھی گرے ہوئے دشمن پر ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ بلکہ وہ اگر قیدی تھا۔تو خیال رکھا گیا۔اور ان کے کھانے ، پینے اور ہر قسم کے آرام کی طرف توجہ دی گئی۔غزوہ بدر کے موقع پر مسلمان خود محتاج اور ضرورت مند تھے۔لیکن پھر بھی وہ مشرک قیدیوں کو بھی اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی حکم فرمایا تھا کہ ان کے ساتھ بہترین سلوک کریں۔اور مسلمانوں نے ایسا ہی اچھا سلوک کیا کہ جس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے سورۃ الدھر کی اس آیت میں فرمائی۔وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا o (۹۳) اور باوجود یہ کہ ان کو خود طعام کی خواہش (اور حاجت) ہے،فقیروں،یتیموں اور قیدیوں کو کھلا تے ہیں۔

ایک اور حدیث میں یہ بھی ہے فُكُّوْ الْعَانِيَ، يَعْنِي الْأَسِيْرَ ، وَأَطْعِمُوْا الْجَآئِعَ وَعُوْدُوْا الْمَرِيْضَ o (۹۴) قیدیوں کو چھڑاؤ، بھوکے کو کھلاؤ اور مریض کی عیادت کرو۔

معالج کی ذمہ داریاں زندگی کے تمام شعبوں تک پھیلی ہوئیں ہیں اور قدرتی آفات کے وقت معالج کی ذمہ داریاں عام حالات کے مقابلے میں اور بھی زیادہ ہوجاتی ہیں۔جس کی وجہ یہ ہے کہ قدرتی آفات کے وقت اگر ایک طرف لوگوں کی پناہ گاہیں اور اموال کو نقصان پہنچتا ہے۔تو دوسری طرف ان کو جانی اور جسمانی نقصانات بھی پہنچتے ہیں۔ ان حالات میں معالج ہی ایک بڑا کردار ادا کرسکتا ہے۔

بعض اوقات لوگوں کو فوری طبی امداد اور زخمیوں کا علاج معالجہ کرانا ضروری ہوتا ہے۔ایسے اوقات میں معالج کو اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر زیادہ ضرورت مند لوگوں کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنا ہوگا۔اور یہی خدمت اسکے لئے اجر وثواب کا باعث بنے گی۔اس سے نہ صرف ان کی مدد ہوگی بلکہ اس سے اس پیشہ اور اس سے وابستہ افراد کی عزت وتوقیر میں اور اضافہ ہوگا۔

متعدی امراض اور کورونا: Infectious Diseases and Corona

انسان کی صحت اور مرض لازم وملزوم ہیں،شاید ہی کوئی انسان ایسا ہو جو یہ دعویٰ کر سکے کہ اسے کبھی کوئی مرض لاحق نہیں ہوا۔صحت درحقیقت بہت بڑی نعمت ہے اور کسی بھی قسم کی بیماری کے بعد شفایابی کی صورت میں انسان کو اور زیادہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہئے،تاہم بعض امراض ایسے ہیں جو انسان کی ذات تک محدود رہتے ہیں جب کہ بعض دیگر امراض متعدی ہوتے ہیں۔

شریعت ہر اس قدم کی حوصلہ افزائی کرتی ہے جس سے انسان کی عمومی صحت اور ماحول صحت مند رہے، جب کہ متعدی

امراض کی صورت میں بھی ہمیں واضح ہدایات ملتی ہیں۔سورۃ البقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:"وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ"(۹۵)۔ ترجمہ:"اور اپنے ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو"۔

اسی طرح اپنی ذات اور صحت کا خیال رکھنا، بروقت علاج کرنا اور اس کے لئے مناسب حفاظتی تدابیر اختیار کرنا مقاصد شرع کی تکمیل ہے۔تاہم اگر شریعت کی عمومی ہدایات کو سامنے رکھا جائے تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ حفاظتی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہے، فقہ اسلامی کا مشہور قاعدہ ہے:"لاضرر و لاضرار"۔کہ نہ آپ کو نقصان پہنچے اور نہ آپ کی وجہ سے کسی کو نقصان پہنچے۔اسی طرح "سدّ ذرائع" کا مشہور قاعدہ بھی یہاں قابل توجہ ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی بھی برا اور غلط کام یا گناہ کو اس کے سرانجام دینے سے قبل ہی کسی طریقے سے ان کا راستہ روک دیا جائے، حتیٰ کے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگرچہ کوئی کام جائز ہو لیکن وہ کسی ناجائز کام کی طرف رہنمائی کر رہا ہو یا اس کا ذریعہ بن رہا ہو تو یہ جائز کام بھی ممنوع قرار دیا جائے گا۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "فرَّ مِنَ المَجْذُومِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الأَسَدِ "(۹۶)۔"جذام (کوڑھ) کے مریض سے اس طرح بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو"۔

اسی طرح جب ایک مجذوم شخص بیعت کے لئے آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے ہاتھ نہیں ملایا بلکہ دور سے اس کی بیعت قبول فرمائی۔بنوثقیف کے وفد میں ایک جزامی (کوڑھ زدہ) آدمی تھا تو نبی کریم ﷺ نے اس کی طرف پیغام بھیجا کہ ہم نے تیری بیعت قبول کر لی ہے۔تم واپس لوٹ جاؤ۔(۹۷) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہ وبائی مرض تھا تو آپ نے احتیاط کی بناء پر اس کو آنے سے منع فرمایا۔

تاریخ اسلام میں عمواس کی وباء بہت مشہور ہے، جب صحابہ کرام رضی اللہ عنھم شام میں جہاد میں مصروف تھے تو یہ وباء پھوٹ پڑی، جس میں ہزاروں صحابہ کرام شہید ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں جانے والے تھے کہ انہیں اس وباء کی خبر ملی تو اس علاقے میں داخل نہیں ہوئے، اس وقت ایک مشہور صحابی حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بحث ومباحثہ کیا کہ اے امیر المؤمنین! کیا آپ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے فرار اختیار فرما رہے ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ اُبوعبیدۃ اگر تمہارے سوا کوئی اور یہ بات کہتا تو مناسب ہوتا۔ پھر فرمایا کہ ہاں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بھاگ کر اللہ کی تقدیر کی طرف جا رہے ہیں۔جب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ سنائی:"اگر تمہیں کسی علاقے میں طاعون پھیلنے کی خبر ملے تو وہاں نہ جانا اور جس علاقے میں تم موجود ہو اور وہاں طاعون پھیل جائے تو وہاں سے بھاگ کر نہ جانا"۔یہ حدیث سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کیا، اور پھر اس مقام سے لوٹ گئے۔(۹۸)

عصر حاضر میں میڈیکل سائنس نے بہت ترقی کی ہے، اس میں انسانی صحت کے بارے میں تمام جوانب کو زیر بحث لایا جا رہا ہے، متعدی امراض اور خصوصاً کرونا کے حوالے سے جدید تحقیق نے جو (SOPs) تجویز کی ہیں ان میں سے کوئی بھی شریعت کے خلاف نہیں ہے پاکستان کے تمام مکاتبِ فکر کے جید علماء نے اس سے اتفاق کیا ہے۔، جن میں سے:

1۔مصافحہ کی بجائے زبانی سلام پر اکتفاء کرنا۔

2۔اجتماعی مقامات مثلاً مساجد وغیرہ میں مناسب فاصلہ رکھنا اور احتیاط کرنا۔

3۔ماہرین طب کی بتائی ہوئی تجاویز پر عمل کرنا ہے۔

4۔صفائی کا خیال رکھنا اور بار بار ہاتھ دھونا۔

واضح رہے کہ کورونا وائرس کی وباء پوری دنیا میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہ شدید متعدی مرض کھانسی، چھینک، ملنے جلنے، ہاتھ لگانے اور چھونے سے پھیلتا ہے۔ لاکھوں افراد اس سے متاثر ہو رہے تھے اور ہزاروں اس میں مبتلاء ہوکر ہلاک ہو چکے ہیں۔

اسلام انسان کو ایمانی طاقت فراہم کرتا ہے جس کے ذریعے وہ پوری شجاعت اور پامردی کے ساتھ سختیوں کو برداشت کرتا ہے۔ امراض کا مقابلہ کرنے کے لئے انسان کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس کی بدنی اور نفسیاتی مدافعت مضبوط ہو۔ یہی بات اطباء اور ماہرین بھی کہتے ہیں۔ مریض جس قدر سکون واطمینان کی حالت میں ہوگا اتنا ہی وہ مرض کا مقابلہ کرنے پر قادر ہوگا۔ ساتھ ہی احتیاط اور علاج کے اسباب اختیار کرنا بھی ضروری ہیں۔ کورونا وائرس پوری دنیا میں پھیل گیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس وباء کا مقابلہ کرنے کے لئے تمام مادی اور معنوی صلاحیتیں وقف کر دینی ہونگی۔ اسباب مدافعت میں سے یہ بھی ہے کہ زندگی میں نظام صحت، غذا، حرکت اور احتیاط وغیرہ پر توجہ دی جائے۔ اسلام نے ان احتیاطی تدابیر کو اختیار کرنے کی دعوت دی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ چیزیں کھانے اور ناپاک چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

کورونا وائرس کے خطرہ کا مقابلہ کرنے اور اس سے حفاظت کے لئے اسلام میں درج ذیل ہدایات ہیں:

ہاتھ دھونے اور صفائی کی تاکید:Emphasis on hand washing and hygiene

اسلام نے صفائی کا سخت حکم دیا ہے، فقہ اسلامی کا پہلا باب ہی طہارت سے شروع ہوتا ہے۔ نماز کے لئے وضو کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ کھانا کھانے سے قبل اور بعد میں ہاتھ دھونے کی ترغیب دی گئی ہے، کھانے کو خراب اور آلودہ ہونے سے بچانے کی انتہائی تاکید کی گئی ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"پانی کے برتنوں کو ڈھانک لیا کرو، مشکیزوں کو باندھ لیا کرو، دروازے بند کرلیا کرو اور اپنے بچوں کو اپنے پاس جمع کرلیا کرو، کیونکہ شام ہوتے ہی جنات پھیلتے ہیں اور اچکتے پھرتے ہیں اور سوتے وقت چراغ بجھا لیا کرو، کیونکہ موذی جانور بعض اوقات جلتی بتی کو کھینچ لاتا ہے اور اس طرح سارے گھر کو جلا دیتا ہے"(۹۹)۔

ان تمام امور پر تاکید کی وجہ یہ ہے کہ نظافت، صفائی اور احتیاط برتنا انسان کی زندگی اور اس کے معمولات میں شامل ہو جائے۔ اسلام کی تعلیم یہ بھی ہے کہ اہل ایمان حفظان صحت کی ان ہدایات کی پابندی کریں جو حکومتی اداروں کی جانب سے وقتاً فوقتاً جاری کی جاتی ہیں تاکہ خود بھی محفوظ رہیں اور دیگر لوگوں کو بھی نقصان سے بچائیں

کھانسی کرتے وقت احتیاط:Precautionary measures during coughing

کوئی بھی وائرس جو کہ متعدی ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو اس سے خود بھی بچنے اور دوسروں کو بھی بچانے کی شریعت نے

تلقین کی ہے، موجودہ صورتحال میں کورونا وائرس کا معاملہ کافی حد تک سنگین ہے، ماہرین اور اطباء کے مطابق اس وائرس کے پھیلنے کا ایک مسلم ذریعہ کھانسی ہے لہذا اس مرض میں مبتلاء شخص کو اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس کی کھانسی سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے اور اسی بات کو بنیاد بنا کر اسے مزید احتیاط بھی کرنا ضروری ہے جس میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ محافل، مجالس اور بھیڑ میں جانے سے گریز کرے تا کہ کسی طرح یہ مرض متعدی نہ ہو۔

کورونا وائرس کے سبب مسجدوں میں نماز موقوف کردینے کا جواز:

The justification for suspending prayers in masajid due to corona

اطباء نے یہ بات یقین کے ساتھ کہی ہے کہ کورونا وائرس کے حامل شخص پر مرض کی علامات بسا اوقات طویل مدت تک ظاہر نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ جس سے بھی ملاقات کرے گا، اسے وائرس منتقل کرسکتا ہے۔ مساجد میں لوگوں کے آنے جانے، صفوں میں مل کر کھڑے ہونے اور ایک ہی جگہ مختلف لوگوں کے سجدہ کرنے سے یہ امکان بڑھ سکتا ہے۔

انہی امور کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ لوگوں کو بچانے کے لئے اور کورونا وائرس کے پھیلاؤ کے سبب مساجد میں نمازوں کو موقوف کرنا بھی جائز ہوگا۔ مساجد میں حاضری سے رخصت کو اس رخصت پر قیاس کیا جا سکتا ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے بارش کی وجہ سے مساجد میں حاضر ہونے سے رخصت دی تھی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سردی اور بارش کی راتوں میں مؤذن کو حکم دیتے تھے کہ وہ اعلان کردے کہ لوگو! اپنی قیام گاہوں پر ہی نماز پڑھ لو"۔(۱۰۰)

اس میں شک نہیں کہ وائرس کا خطرہ اور اس سے پہنچنے والی مشقت بارش میں نماز کے لئے مسجد جانے کی مشقت سے بڑھ کر ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اذان سنے اور بغیر کسی عذر کے نماز کے لئے مسجد نہ جائے اس کی (گھر پر پڑھی جانے والی) نماز مقبول نہ ہوگی''۔ لوگوں نے سوال کیا: عذر سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: خوف یا مرض" (۱۰۱)

اس حدیث سے فقہاء نے اس پر استدلال کیا ہے کہ اپنے یا گھر والوں کے بارے میں کسی خوف کا شمار ایسے اعذار میں ہوتا ہے جن کی بناء پر جمعہ یا جماعت ترک کرنے کی اجازت ہے۔ مسجد میں جانے سے وائرس کا خود شکار ہوجانے اور اپنے گھر والوں میں اسے منتقل کردینے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے جمعہ یا جماعت میں شریک نہ ہونے والا اس معاملے میں معذور ہے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ وباء میں مسجدوں کو جانا بالکل ہی چھوڑ دیا جائے بلکہ حکومتی احکامات کو دیکھنا ہوگا۔ اگر حکومت نے گھر سے نکلنے پر مکمل پابندی لگائی ہو تو ایسے حالات میں گھروں ہی میں باجماعت نمازوں کا اہتمام کیا جائے گا۔ تاہم مسجد کا عملہ جس میں امام، موذن اور خادم وغیرہ شامل ہیں، اپنی جماعت کا اہتمام کریں گے۔ اگر شہر میں معمول کی زندگی جاری وساری ہو، کورونا یا کوئی اور متعدی بیماری کا کیس سامنے نہ آیا ہو اور سماجی فاصلہ کی ہدایت جاری نہ ہوئی ہو تو اس صورت میں مسجد ہی میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

وبائی علاقوں کا یا وہاں سے نکل کر دوسرے مقامات کا سفر کرنا:

قرنطینہ: Quarantine

کوئی وباء پھیلی ہوئی ہوتو اسلام نے ان تدابیر کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے جو تعدیہ (Infection) کو پھیلنے سے روکنے والی ہوں۔ اسلام نے متعدی بیماریوں کے بارے میں واضح حکم دیا ہے کہ اگر کسی علاقے میں وباء پھیلی ہوئی ہوتو وہاں نہ جاؤ اور اگر وہاں موجود ہوتو باہر نہ نکلو، نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: "جب تم سن لو کہ کسی جگہ طاعون کی وبا پھیل رہی ہے تو وہاں مت جاؤ لیکن جب کسی جگہ یہ وبا پھوٹ پڑے اور تم وہیں موجود ہوتو اس جگہ سے مت نکلو"۔ (۱۰۲)

وباء کے زمانے میں مصافحہ اور معانقہ کرنا: Handshakes and Hugs during Pandemic

کورونا وائرس کے بارے میں ماہرین کی متفقہ رائے ہے کہ ایسے مریض کو خصوصی علاج کے لئے دیگر لوگوں سے جدا کرنا ہی بہتر ہے۔ اور اس کا واحد سبب جان کی حفاظت ہے جو کہ مقاصد شریعت کے اہم امور میں سے ہے۔ مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے شہر کے حکمرانوں اور ماہرین کی ہدایات کی پابندی کرے اور دی گئی ہدایات کے مطابق بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلے۔

ان تمام مادی امور اور احتیاطی تدابیر کے ساتھ ساتھ روحانی امور کی طرف توجہ بھی انتہائی ضروری ہے جن میں صدقہ، خیرات، توبہ و استغفار سرفہرست ہیں

وبائی امراض کے وقت خوف وہراس اور دہشت پھیلانے سے گریز کرنا چاہئے، ایک دوسرے کو حوصلہ دینا چاہیئے، بے جا توہم پرستی کا شکار نہیں ہونا چاہئے، محض مرض کے خوف سے عبادات ترک نہیں کرنی چاہئیں۔ ظاہری جائز اسباب اختیار کر کے اللہ پر توکل کرنا چاہئے۔

امراض سے حفاظت کے لئے دعائیں: Prayers for protection from diseases

صبح وشام (فجر اور مغرب کے بعد) تین تین مرتبہ مندرجہ ذیل دعاؤں کا اہتمام کریں۔

(۱) "أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ" (۱۰۳) "میں ہر اس چیز کے شر سے جس کو اللہ نے پیدا کیا۔ اس کے کامل ترین کلمات کی پناہ میں آتا ہوں"

(۲) "بِسْمِ اللَّهِ الَّذِی لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَیْءٌ فِی الْأَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِیعُ الْعَلِیمُ" (۱۰۴) "میں اس اللہ کے نام کے ذریعہ سے پناہ مانگتا ہوں جس کے نام کی برکت سے زمین وآسمان کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی اور وہ سننے والا جاننے والا ہے"

اور درج ذیل درود شریف کا کثرت سے ورد کیا جائے: "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ دَاءٍ وَ دَوَاءٍ وَ بِعَدَدِ كُلِّ عِلَّةٍ وَشِفَاءٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ" (۱۰۵) "اے اللہ ہمارے آقا محمد ﷺ اور ہمارے آقا محمد ﷺ کی

آل پر ہر بیماری اور دوا کی تعداد کے مطابق اور ہر بیماری کی تعداد کے مطابق شفا، برکت اور سلامتی نازل فرما''

اپنی صحت اور ماحول کو صاف رکھنا کسی بھی انسان کے بنیادی فرائض میں سے ہے، اور جس طرح ہر بیماری کا علاج اور اس سے بچاؤ توکل کے خلاف نہیں ہے بلکہ شریعت ایسے امور کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، کیونکہ توکل کا حقیقت میں مطلب یہ ہے کہ انسان ہر لحاظ سے تمام وسائل کو بروئے کار لائے اور پھر نتیجہ اللہ پر چھوڑ دے۔اسی طرح متعدی امراض سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرنا اور اس کا بروقت علاج نہ صرف مطلوب ہے بلکہ انسان کی اہم ذمہ داریوں میں سے ہے۔اس وباء کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر شخص کو اپنی ذمہ داری نبھانی ہوگی۔ وہ جو کچھ کرسکتا ہے اس سے دریغ نہیں کرنا چاہئے۔ڈاکٹروں اور دیگر طبی عملہ کو چاہیئے کہ مریضوں کا علاج کرے۔محققین کو چاہئے کہ اس کی دوائیں اور ویکسین تیار کریں۔اصحابِ ثروت کو چاہیئے کہ سائنسی تحقیقات، علاج معالجہ اور لوگوں کی ضروریات پوری کرنے میں ان کی مدد کرے کیونکہ یہ قربِ الٰہی کے عظیم کاموں میں سے ہے۔حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا: لوگوں میں کون سا شخص اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے والا ہو''(۱۰۶)۔

اسلام میں ہیلتھ کیئر ورکر کی اہمیت: (Importance of Nursing/ ParaMedics/ Physiotherapist)

جس طرح حالت امن اور جنگ دونوں میں ڈاکٹر کا کردار مسلم ہے اسی طرح ڈاکٹر کے ساتھ ساتھ معاشرے کی فلاح و بہبود اور مریضوں کی دیکھ بھال میں ایک نرس پیرا میڈیکل اور فزیوتھراپسٹ کے کردار سے بھی چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔درحقیقت نرسنگ ایک مقدس پیشہ ہی نہیں، بلکہ عبادت بھی ہے۔کیونکہ اس میں دکھی ،بیمار، مجبور اور تکلیف زدہ انسانیت کی خدمت کی جاتی ہے۔اور بقول خواجہ میر درد

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ اطاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں

مرد اور عورت نرس کی حلیم گفتاری ، دست شفقت اور مناسب دیکھ بھال سے مریض کو آرام اور جلد صحت یابی کی اُمید ملتی ہے۔یہ تمام خدمات نرسنگ کو نہ صرف ایک ممتاز مقام عطا کرتی ہے، بلکہ حقیقی معنوں میں معاشرے میں اس کی خدمت کا صلہ ہی نہیں دیا جاسکتا۔یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ نرسز دکھی انسانیت کے درد کو مٹانے کا بوجھ اپنے کمزور کندھوں پر اٹھانے کی ذمہ واری قبول کرتے ہیں۔اگر کسی کو آدھی رات کے وقت ہسپتال جانے کا اتفاق ہوا ہو، تو وہ اس بے لوث خدمت کے جذبے کا بخوبی اندازہ لگاسکتے ہیں۔نرسنگ صرف خواتین کے ساتھ کے مخصوص نہیں ۔کیونکہ آج کل اسی طرح مرد حضرات بھی نرسنگ کے شعبے میں اپنی خدمات بطریق احسن انجام دے رہے ہیں۔

کسی بھی معاشرے خصوصاً فلاحی ریاست میں افراد اور رعایا کی فلاح و بہبود اہم مقام رکھتی ہے۔اسلام نے اس معاملے میں نمایاں اور ذرین اصول متعین کیے ہیں۔صحت کے معاملے میں بھی اسلامی اصول تمام انسانیت کے لیے نشان راہ کی حیثیت رکھتے ہیں، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ موجودہ دور کے جدید صحت کے اصول براہ راست یا بالواسطہ اسلامی احکامات سے ماخوذ ہیں تو یہ مبالغہ

نہ ہوگا۔ طب میں ڈاکٹر اور نرس کی حیثیت کسی بھی عمارت کے لیے دوستونوں کی مانند ہے۔ علاج کے دوران نرسنگ علاج کی تکمیل کی ضامن ہوتی ہے۔ بظاہر اگر ڈاکٹر کوئی آپریشن کامیابی سے کر بھی لے تو نرسنگ کے بغیر صحت کا ملہ ممکن نہیں۔

دنیا میں نرسنگ کی تاریخ مغربی اور مشرقی دونوں ذرائع سے ملتی ہے ۔مغربی تاریخ میں ۱۸۶۰ء کی فلورنس نائیٹ انگیل (Florence Nightingale) کا نام سرفہرست ہے۔ جبکہ عالم اسلام کی پہلی خاتون نرس بی بی رُفیدہ بنت کعب تھی ۔

ان کا تعلق مدنیہ منورہ سے تھا۔ان کے والد حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس زمانے کے ڈاکٹر اور حکیم تھے۔ لہذا بی بی رفیدہ نے اپنے والد سے نرسنگ کا باضابطہ ہنر سیکھا۔ نبی کریم ﷺ کی اجازت سے رفیدہ نے نرسنگ کے کام کا آغاز کیا۔

آپ نے مختلف جنگوں میں زخمیوں کی مرہم پٹی کی ،اور صحابیات کو ٹریننگ بھی دی۔ نیز نبی کریم ﷺ نے حضرت رفیدہ کو مسجد نبوی کے اندر خیمہ لگانے کی اجازت دی، جس میں جراحی اور مرہم پٹی کا سامان ہوتا تھا۔ غزوۂ احزاب میں حضرت سعد بن معاذ ؓ جب زخمی ہوئے تو حضرت بی بی رفیدہ نے ان کا علاج کیا۔اس کے علاوہ حضرت لیلیٰ غفاریہ، حضرت امیّہ غفاریہ اور حضرت ام زیاد اشجعیہ بھی عہد رسالت میں جراحت اور طبی مہارت میں مشہور تھیں، اور مختلف غزوات میں بھی انہوں نے شرکت کر کے زخمیوں کی مرہم پٹی کیں۔طبِ اسلامی کے فروغ میں مسلم خواتین کا کردار بھی تاریخ طب کا روشن باب ہے۔ عہدِ رسالت ﷺ میں صحابیاتؓ میدانِ جنگ میں زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کی خدمت سرانجام دیتی تھیں۔حضرت امِ سلیمؓ، امِ متاعؓ ،امِ عطیہؓ کو مرہم پٹی کرنے میں خاص مہارت تھی۔ مسلمانوں کی شاندار طبی تاریخ میں کئی ایسی عورتوں کے نام نظر آتے ہیں جنہوں نے اس فن میں اپنی مہارت کا لوہا منوایا مثلاً حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ علاج معالجے میں مشہور تھیں۔ خلافت بنی امیہ میں ایک خاتون طب بالخصوص امراض چشم کی ماہر تھیں۔ اندلس میں حفید ابوبکر کی ہمشیرہ اور بھانجی کو طب میں خاص کر علاجِ نسوانی میں کمال حاصل تھا۔ مغل حکمراں شاہجہان کے عہد سلطنت میں ستہ النساء کو علاج معالجے میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ قرونِ وسطیٰ کے بعض مسلم شفاخانوں میں نرسوں کو بھی تعینات کیا جاتا تھا۔ (۱۰۷)

تیسرا باب

علم الاخلاق کی تعریف اور اہمیت (Definition and importance of Ethics)

اللہ تعالیٰ نے تمام مادی قوتوں کو انسان کی خاطر مسخر کیا ہے۔غور کیا جائے تو کائنات میں تین چیزیں جمادات، نباتات، اور حیوانات ہیں ۔ان کے درمیان اگر انسان کی حیثیت کو دیکھا جائے تو کچھ اشیاء ان کے ساتھ مشابہت بھی رکھتی ہیں۔مثلاً درازیٔ قد میں وہ پہاڑوں کے ساتھ مشابہ ہے۔مناسب نشونما اور تروتازگی میں پودوں اور پھلوں کے ساتھ جبکہ کھانے، پینے اور طاقت وغیرہ میں حیوانات کے ساتھ ۔لیکن ان مشابہات کے باوجود انسان ان مخلوقات میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہؒ دہلوی کے نزدیک مہذب اخلاق عمدہ تدبیر اور بلند رتبہ جیسی صفات کی وجہ سے ہی انسان باقی کائنات پر فوقیت رکھتا ہے۔اسی کا نام سعادت ہے۔(۱۰۸)

لیکن علم الاخلاق کیا ہے؟ اسکی وضاحت مولانا محمد حفظ الرحمان سیوہارویؒ یوں کرتے ہیں۔

''جو علم بھلائی اور برائی کی حقیقت کو ظاہر اور بیان کرے کہ انسانوں کو آپس میں کس طرح معاملہ کرنا چاہئے اور یہ بتائے کہ لوگوں کو اپنے اعمال میں کن مقاصد کو پیش نظر رکھنا چاہیئے اور یہ علم کارآمد باتوں کیلئے دلیل راہ بنے۔'' (۱۰۹)

واضح رہے کہ علم الاخلاق لوگوں کے اعمال سے اس طرح بحث کرتا ہے کہ ان پر اچھے اور برے ہونے کا حکم لگائے۔اور یہ اس لئے اہم ہے کہ انسان سے بعض اعمال غیر ارادی طور پر سرزد ہوتے ہیں مثلاً سانس لینا اور دل کی حرکت کرنا، تو ان امور کا تعلق علم الاخلاق سے نہیں ہے کیونکہ نہ ان پر اچھے اور برے کا حکم لگایا جاتا ہے اور نہ ان لوگوں کو نیکوکار یا بدکار کہا جاتا ہے۔جن سے یہ اعمال سرزد ہوتے ہیں۔البتہ وہ اعمال جو عامل کے اختیار اور ارادہ سے صادر ہوتے ہیں اور عمل کے وقت وہ خوب جانتا ہے کہ کیا کر رہا ہے تو یہی اعمال ہیں جن پر خیر اور شر یا اچھے اور برے کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔ (۱۱۰)

مذہب اور اخلاق کا تعلق: (The Relationship Between Religion and Ethics)

یہ بات واضح ہے کہ شریعت کے احکامات کی اساس عقائد، روحانیات اور اخلاقی اقدار پر ہے۔اسلام کے تمام اجتماعی ضوابط، قانونی احکام، عملی ہدایات اور ثقافتی وتمدنی تعلیمات کے ہر جز کا عقائد اور روحانی پاکیزگی سے مضبوط تعلق ہے ۔اسلامی شریعت کی رو سے قانون اور اخلاق ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ اور اگر اسلامی

تعلیمات پرغور کیا جائے تو یہ واضح ہوگا کہ اسلام کا ہر قانون کسی نہ کسی مقصد یا روحانی ہدف کے حصول کے لئے ہے۔ دوسری طرف اسلامی تعلیمات میں کوئی اخلاقی ہدایت ایسی نہیں دی گئی ہیں جس پر عمل درآمد کیلئے عملی ضوابط فراہم نہ کئے گئے ہوں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ دین اسلام صرف قانونی نظام نہیں نہ ہی یہ چند مذہبی رسوم کا نام ہے اور نہ چند اخلاقی تعلیمات وہدایات تک محدود ہے بلکہ یہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں کیلئے مشعل راہ ہے۔مسلمانوں میں خواہ فلسفی ہوں،فقہاء ہوں یا صوفی حضرات ،تمام نے اپنے اپنے درس وتدریس اور اپنی تصنیفات میں اخلاقی اقدار کو اجاگر کیا ہے۔ان سب حضرات نے علم کی وحدت کو برقرار رکھتے ہوئے حقیقت کی وہ تعبیر کی جس میں فرد، معاشرہ ،امت، مسلم ریاست اور پوری انسانیت کی اخلاقی اور روحانی تربیت ایک ایسے نظام کے تحت کی جاسکے جس کی اساس اور منزل مقصود ایک ہی ہو۔

تمام اسلامی تعلیمات کا ایک ظاہری پہلو ہے جو انسان کے ظاہری افعال واعمال سے تعلق رکھتا ہے جبکہ دوسرا داخلی پہلو ہے جو انسان کے جذبہ،نیت اور محرکات سے تعلق رکھتا ہے۔انسان کے ظاہری پہلو یعنی تمام افعال واعمال کا براہ راست تعلق اس کے داخلی پہلوؤں کی اصلاح پر منحصر ہے۔ اس اعتبار سے اگر فرد کی تربیت،داخلی اصلاح اور روحانی تربیت کے تقاضوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح طور پر سامنے آئے گی کہ فرد کی اندرونی اصلاح کے لئے سب سے ضروری چیز اس کی کردار سازی اور اخلاقی تعلیم ہے۔ یہاں اخلاقی تعلیم سے مراد وہ مکارم اخلاق ہے جسکی جابجا قرآن وسنت میں تعلیم دی گئی ہے۔ ان مکارم اخلاق سے عملاً متصف ہونے کیلئے تعلق مع اللہ اور آخرت کی جوابدہی کا شعور بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ جب تربیت کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس میں سب سے پہلے فرد اور خاندان کے موضوعات آتے ہیں فرد کی تربیت اس لئے اہمیت رکھتی ہے کہ جب تک فرد مکمل طور پر تربیت یافتہ نہ ہو اور فرد اس انداز سے تربیت پا کر سامنے نہ آئے جو اسلام کا مطلوب ہے تو اس خاندان کی تشکیل نہیں کرسکتا جس خاندان کی تشکیل اسلام چاہتا ہے اور جب تک ایسے مطلوبہ مثالی افراد اور خاندان مؤثر اور قابل ذکر تعداد میں موجود نہ ہوں اس وقت تک وہ صالح معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا جو اسلام کا مطمح نظر ہے۔

لیکن یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ فرد کی اخلاقی تربیت اسکے خاندان اور ماحول سے صرفِ نظر کر کے نہیں کی جاسکتی کیونکہ انسان معاشرت پسند ہے ۔ وہ ایک خاندان اور معاشرے میں بسر اوقات کرتا ہے۔ یہ خاندان اور معاشرہ ایک مرد اور زن کے باہمی اشتراک سے شروع ہوتا ہے۔ روز اول سے مرد بھی موجود ہے اور زن بھی ۔ان دونوں صنفوں کے درمیان توازن اور ہم آہنگی سے ہی انسانیت کا نظام چلتا ہے۔ اسلامی شریعت نے شوہر اور بیوی کو ایک دوسرے کیلئے سکون واطمینان کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ جبکہ ہر دو کے درمیان ہر قسم کے روابط اور تعلقات کی بنیاد اخلاق اور حیاء کے اصولوں پر استوار ہے۔فرد کی تربیت میں بنیادی کردار مکارم اخلاق اور خوف خدا ہے۔ یہاں خوف خدا کی قید لگانا اس لئے ضروری ہے کہ اگر روحانی نظریات اور دینی تصورات سے ہٹ کر اخلاقی نظریات مرتب کرنے

کی کوشش کی جائے تو یہ لاحاصل ہوگی۔ایسی کوششوں کے نتیجہ میں فلسفے تو تراشے جاسکتے ہیں ۔لیکن حقیقی اخلاق پیدا نہیں کئے جا سکتے ۔کیونکہ جب آخرت کی جوابدہی کا احساس درمیان میں نہ ہوتو پھر ایسی فیصلہ کن قوت موجود نہیں رہے گی جو فرد کو مکارم اخلاق سے متّصف کرنے میں مدد و معاون ثابت ہو سکے۔مسلمان مفکرین اور فقہاء اسلام نے فضائل اخلاق پر اسی اساس کو سامنے رکھ کر کام کیا ہے۔کہ فرد میں اللہ کے حضور جوابدہی کا احساس موجود ہو۔کیونکہ جب ایک مرتبہ یہ احساس پیدا ہو جائے تو تمام مکارم اخلاق ایک ایک کر کے بہت آسانی کے ساتھ پیدا کئے جاسکتے ہیں۔یہی احساس نہ صرف تقوی اور انفرادی اخلاق کو جنم دیتا ہے بلکہ اجتماعیات کو بھی بہتر بناتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ماہرین شریعت نے روحانیات اور اخلاقیات دونوں کو ایک عنوان کے تحت ذکر کیا ہے۔اور دونوں کو ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

قرآن پاک میں اس مقصد کے لئے تزکیہ نفس کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے کہ جب دینی اور اخلاقی تربیت کے نتیجہ میں ایک انسان کا تزکیہ اندر سے ہو جائے ۔تو پھر شریعت کا مزید علم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔جس کے اثرات فرد اور اللہ کے درمیان تعلق پر بھی پڑتے ہیں۔قرآن پاک نے انسان میں اخلاقی اقدار پیدا کرنے کے لئے اسکی تربیت اور فطرتِ سلیمہ کو مدنظر رکھا ہے۔قرآن مجید میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر انسان میں ایک فطرت سلیمہ ودیعت کی گئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ انسان اپنی اصل اور ذات سے اچھا ہوتا ہے اور عمومی طور پر اخلاقی اصولوں سے انحراف نہیں کرتا۔بیرونی قوتوں کے اثرات سے اس میں انحراف پیدا ہوتا ہے۔معاشرے میں موجود منفی رجحانات اس کی فطرت سلیمہ میں بگاڑ پیدا کرتا ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ اس فطرت سلیمہ کی صحیح تربیت کی جائے تو اس کے نتیجہ میں اس میں برائی کے خلاف مزاحمت پیدا ہو جائیگی اور پھر تمام اخلاقی مسائل سہولت کے ساتھ خود بخود حل ہو جائیں گے۔

قرآن مجید میں اخلاقی تعلیمات نہ صرف الگ الگ بیان کی گئی ہیں بلکہ ان تمام اخلاقی اصولوں اور تعلیمات کو قانونی احکام سے وابستہ کیا گیا ہے۔جس میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے قانون اور اخلاق کوئی متضاد چیزیں نہیں ہیں ۔بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں قانون کی بنیاد اخلاق پر ہے اور اخلاق کے تقاضوں پر عمل درآمد کے لئے انہی قوانین پر عمل درآمد ضروری ہے ۔ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص اسلامی احکام پر عمل نہ کرتا ہو اور اسلام کے مصادر اخلاق پر فائز ہو جائے اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص اخلاق کے اعلی معیار پر قائم ہو اور وہ شریعت کے عملی احکام پر کاربند نہ ہو۔(۱۱۱)

جس طرح مکارم اخلاق بہت زیادہ ہیں۔اسی طرح منکرات اخلاق کی تعداد بھی کچھ کم نہیں اور جس طرح مکارم اخلاق کے مراتب ہیں اسی طرح منکرات اخلاق کے بھی مختلف اقسام ہیں۔احادیث میں ان سب منکرات

سے بچنے کی دعا فرمائی گئی ہے۔ "أَللّٰهُمَّ جَنِّبْنِیْ مُنْکَرَاتِ الْاَخْلَاقِ" (۱۱۲) اے اللہ مجھے منکرات اخلاق سے بچا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مکارم اخلاق کو کیسے اپنایا جائے؟ مکارم اخلاق کو حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے رذائل اخلاق کو نکالا جائے۔اسے ختم کرنے کے لئے کچھ تدابیر شریعت اور اکابرین اسلام نے بتائیں ہیں۔اور کچھ تربیت اور اخلاق کے عام ماہرین نے تجویز کی ہیں۔ جو تجاویز ماہرین اخلاق نے تجویز کی ہیں ان کی حیثیت ایک اجتہادی رائے کی ہے اور ان میں ترمیم واضافہ کی گنجائش موجود ہے البتہ جو احکام یا تدابیر شریعت نے بتائی ہیں ان پر ہر دور میں عمل درآمد کیا جائیگا۔جس طرح حلال وحرام کی حدود دراصل مکارم اخلاق کا راستہ آسان بنانے اور منکرات اخلاق کا راستہ روکنے کیلئے ہیں۔شریعت نے جن احکامات کی تعلیم دی ہے ان سب کا مقصد مکارم اخلاق کا حصول ہے۔اسی طرح اسلامی نقطہ نگاہ سے مکارم اخلاق جہاں بھی پائے جائیں وہ قابل تحسین ہیں۔مشہور واقعہ ہے کہ جب ایک جنگ میں عرب کی مشہور شخصیت حاتم طائی کی بیٹی جنگی قیدی کی حیثیت سے پیش ہوئی۔ توانہوں نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کیا کہ میں اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہوں۔ میرے والد لوگوں کی حمایت کرتے تھے۔کمزوروں کی مدد کرتے تھے، قیدیوں کو چھڑایا کرتے تھے، بھوکوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے، امن وامان قائم رکھنے میں کوشاں رہتے تھے۔انھوں نے کبھی کسی سوالی کا سوال رد نہیں کیا۔تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے لڑکی !واقعی یہ تو مسلمانوں اور اہل ایمان کے اخلاق ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے آپ کے چھوڑنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس لڑکی کا باپ مکارم اخلاق کو پسند کرتا تھا اور اللہ تعالٰی بھی مکارم اخلاق کو پسند کرتا ہے۔اس پر ایک صحابی نے پوچھا کہ

یا رسول اللہ ﷺ ! کیا واقعی اللہ تعالٰی مکارم اخلاق کو پسند کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جنت میں وہی داخل ہوگا جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ (۱۱۳)

مکارم اخلاق کا چلتا پھرتا نمونہ خود رسول اللہ ﷺ تھے۔آپ ﷺ کے بارے میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔

" کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن" o(۱۱۴) آپ کے اخلاق قرآنی اخلاق تھے۔یعنی رسول اللہ ﷺ کے اخلاق وہی تھے جو قرآن کریم میں موجود ہیں۔ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

:إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْأَخْلَاقِ o (۱۱۵) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔''میں صرف اس لئے مبعوث (بھیجا گیا) ہوں تا کہ عُمدہ اخلاق کی تکمیل کردوں''

اَلْکَلِمَةُ الطَّیِّبَةُ صَدَقَةٌ o (۱۱۶) حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھی (نیک) بات کرنا صدقہ ہے۔(یعنی ثواب ہے) لہذا ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اچھے اخلاق اور اچھے اوصاف کا مالک ہو۔ڈاکٹر اُس وقت تک اپنے پیشے میں کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک اُس کے اخلاق بہترین نہ ہوں۔انسان کی انسانیت کی تکمیل اچھے اخلاق میں مضمر

ہے۔لہذا جو ڈاکٹر جتنے بھی اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرے گا، مریض اُس سے اُتنا ہی مطمئن ہوگا۔

چوتھا باب

مقاصدِ شریعت اور انسانی صحت: (Higher intents of sharia and human health)

ایک معالج کیلئے ضروری ہے کہ وہ دین اسلام کی تعلیمات کے ساتھ مقاصدِ شریعت کے بنیادی تصور سے بھی آگاہی حاصل کرے۔شریعت کے احکامات کا اصل مقصد بندوں کی مصلحتیں پوری کرنا ہے۔ جو شریعت کے اصولوں کے مطابق ہوں۔ کیونکہ صرف نفسانی خواہشات کے تحت انسان غلط راستہ بھی اختیار کرسکتا ہے۔علماء نے عمومی طور پر درج ذیل پانچ بنیادی مقاصدِ شرعیہ کو اتفاقاً بیان کیا ہے۔

(۱) تحفظِ دین (۲) تحفظِ مال (۳) تحفظِ نسل

(۴) تحفظِ جان (۵) تحفظِ عقل

شریعت ان بنیادی احکام اور ارشادات کا نام ہے جو قرآن وسنت میں بیان ہوئی ہیں اور فقہ ان ارشادات کی تفصیلات اور عملی نفاذ، نئی پیش آمدہ مسائل کے حل، اور ان کی تشریحات اور طریقہ کار کو کہا جاتا ہے۔

اگرچہ ان پانچوں مقاصد شریعہ کا تعلق شعبہ طب سے بھی ہے لیکن تین (یعنی ۳،۴ اور ۵) کا تعلق تو بلا واسطہ (directly) انسانی صحت سے ہے۔ عالمی ادارہ صحت کی شائع شدہ کتاب میں صحت کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ " انسانی صحت صرف بیماری یا معذوری کا نام نہیں بلکہ انسانی صحت بدنی، نفسیاتی، اجتماعی اور روحانی پہلوؤں سے کامل سلامتی کا نام ہے" (۱۱۷)

ان تین مقاصد شریعہ پر عمل انسان کی مکمل صحت کا ضامن ہے اور ان کے متعلق اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مکمل معلومات اور ہدایات موجود ہیں۔ان تینوں میں باہمی تعاون اور ہر مقصد کو اس کے حق کے مطابق ادا کرنے سے ایک ایسا اعتدال قائم ہوتا ہے جو انسانی زندگی کے تحفظ اور صحیح استعمال کا ضامن ہے۔

حضورﷺ کی ایک حدیث میں واضح طور پر بیان ہوا ہے کہ " اِنّ لِجَسَدِکَ عَلَیْکَ حَقًّا o " (۱۱۸) تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے اور یہ حق تب ہی ادا ہوسکتا ہے جب ہم اس کی طبعی طور پر جسمانی، نفسیاتی اور روحانی ضروریات کو پورا کریں۔ ہماری ضروریات اور معمولات میں اکثر ہم اس اعتدال (Balance) کو قائم نہیں کر پاتے اور ہمیں صحت کا احساس صرف اسی وقت ہوتا ہے جب ہم بیمار پڑ جاتے ہیں۔ اس بات کو حضورؐ نے ایسے بیان کیا کہ "انسان صحت اور فراغت کے معاملے میں خسارے میں رہتا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا "دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر لوگ ان کی قدر نہیں کرتے، صحت اور فراغت۔ایک اور حدیث میں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا "اللہ سے عافیت مانگو کہ کسی کو ایمان کے بعد صحت و عافیت سے بہتر کوئی چیز نہیں ملی۔ان مقاصد شریعہ کی روشنی میں ہم صحت اور اس کی بقا کے بارے میں درج ذیل امور اور اصول وضع کر سکتے ہیں۔

(۱) انسانی جسم کی صفائی اور روح کی طہارت

(۲) انسانی رشتوں بشمول ازدواجی رشتوں کا قیام اور ان کے حقوق کی ادائیگی

(۳) اپنی اور دوسروں کی جان کی حفاظت کرنا اور ضرر نہ پہنچانا۔ (اس میں تمام انسانیت شامل ہیں)

(۴) ان مقاصد کے حقوق کے لئے افراد اور اداروں میں باہمی تعاون واشتراک

(۵) ان مقاصد کے حصول کے لئے معلومات، ریسرچ اور تعلیم کے ذرائع کا فروغ

(۶) اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کے متعلق آگاہی حاصل کرنا، دوسروں تک پہنچانا اور ان پر عمل کرنے کے لئے تمام ممکنہ ذرائع کا استعمال میں لانا۔

انسانی جان کی حرمت (The Sanctity of Human life)

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی زندگی بڑی نعمت ہے اس لئے ہر معالج کے لئے ضروری ہے کہ وہ حتی الوسع انسانی جان کو بچانے کی کوشش کرے۔ کیونکہ انسانی تمدن کی بنیاد جس قانون پر قائم ہے اسکی سب سے پہلی دفعہ یہ ہے کہ انسان کی جان اور اسکا خون محترم ہے۔ دنیا کی جتنی شریعتیں اور مہذب قوانین ہیں ان سب میں احترام نفس کا یہ اخلاقی اصول ضرور موجود ہے۔ قرآن پاک نے اس تعلیم کو واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ سورۃ المائدہ میں آدمؑ کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا قصہ بیان کر کے جن میں قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا فرمایا ہے۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَمَنْ اَحْیَاهَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ط وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ کَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ o (۱۱۹) اسی بنا پر ہم نے بنی اسرائیل کو یہ لکھ کر دے دیا کہ جو کوئی کسی کی جان لے، بغیر اس کے کہ اس نے کسی کی جان لی ہو یا زمین میں فساد کیا ہو، تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا۔ اور جس نے کسی کی جان بچائی تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچایا۔ ان لوگوں کے پاس ہمارے رسول کھلی ہدایات لے کر آئے مگر اس کے بعد ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جو زمین میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔''

سورۃ الفرقان میں اللہ اپنے نیک بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ ''**وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ج وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًا ''o** (۱۲۰) اور جس جاندار کا مار ڈالنا خدا نے حرام کیا ہے۔ اس کو قتل نہیں کرتے۔ مگر جائز طریق پر (یعنی حکم شریعت کے مطابق) اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا۔ سخت گناہ میں مبتلا ہوگا۔ سورۃ الانعام میں ارشاد ہے۔ '' کہہ کہ (لوگو) آؤ کہ میں تمہیں وہ چیز پڑھ کر سناؤں کہ تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہے۔ (اس کی نسبت اس طرح ارشاد فرمایا ہے) کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بنانا۔ اور ماں باپ سے (بدسلوکی نہ کرنا بلکہ) اچھا سلوک کرتے رہنا اور ناداری (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔ کیونکہ تم کو اور ان کو

ہم ہی رزق دیتے ہیں۔اور بے حیائی کے کام ظاہر ہو یا پوشیدہ ان کے پاس نہ پھٹکنا۔اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو خدا نے حرام کردیا ہے۔قتل نہ کرنا۔مگر جائز طور پر (یعنی جس کا شریعت حکم دے) ان باتوں کو وہ تمہیں ارشاد فرماتا ہے۔تاکہ تم سمجھو "۔ (۱۲۱) اس کی مزید وضاحت احادیث میں اس طرح سے کی گئی ہے کہ انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ **أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَوْلُ الزُّوْرِ o** (۱۲۲) بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا ،اورانسان کوقتل کرنا اور والدین کی نافرمانی اور جھوٹ بولنا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **لَايَزَالَ الْمُؤْمِنُ فِيْ فُسْحَةٍ مِّنْ دِيْنِهٖ مَالَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا o** (۱۲۳) مومن اپنے دین کی وسعت میں اس وقت تک برابر رہتا ہے جب تک وہ کسی حرام خون کونہیں بہاتا۔

سنن نسائی کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **أَوَّلُ مَايُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ الصَّلَاةُ وَأَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ فِي الدِّمَآءِ o** (۱۲۴) قیامت کے دن بندے سے پہلے جس عمل کا حساب لیا جائیگا وہ نماز ہے اور پہلی چیز جس کا فیصلہ لوگوں کے درمیان کیا جائے گا وہ خون کے دعوے ہیں۔

ان تمام نصوص سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناجائز قتل بڑے گناہوں میں شمار ہوتا ہے اس لئے بطور ایک معالج کا یہ بنیادی فریضہ ہے کہ وہ جس طرح انسانوں کی جان کی سلامتی کا سبب ہے تو اسی طرح اُسے یہ زیب نہیں دیتا۔کہ وہ کسی کی جان لینے کا سبب بنے چاہے وہ مریض کے علاج میں سُستی کے سبب ہو یا

اسقاطِ حمل (Abortion) کی صورت میں یہی وجہ ہے کہ شریعت نے معالج کو مستعد رہنے کا حکم دیا ہے اور طبی طور پر جائز وجوہات کے علاوہ اسقاطِ حمل (Abortion) کو قطعاً حرام ٹھہرایا ہے اور اگر کسی نے قصداً ایسا کیا تو وہ اُس کا ذمہ دار ہوگا اور آخرت میں بھی جواب دینا ہوگا۔

اسی طرح اسلام میں قتل رحم (Mercy Killing) کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ حیاتِ انسانی اگر ایک طرف اللہ کی نعمت ہے تو دوسری طرف یہ امتحان بھی ہے۔اور چاہے تکلیف جتنی زیادہ کیوں نہ ہو پھر بھی قتل رحم جائز نہیں ہے۔اور اس بات کا امکان بھی موجود ہے کہ مرض چاہے جتنا شدید کیوں نہ ہو،امکان صحت بہر حال ہوسکتا ہے۔اسی طرح مرض کی تکلیف شدّت یا کسی اور وجہ سے خودکشی بھی حرام ٹھہرائی گئی ہے۔سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

" **وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ** " o (۱۲۵) اور اپنے آپ کو قتل مت کرو۔

اور سورۃ البقرہ میں بھی فرمایا۔

وَلَاتُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (۱۲۶) اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے صالح معاشرے کے قیام کے لئے ایک دین کامل کی ضرورت پر زور دیا ہے تا کہ انسان اپنے جسم اور زندگی کو فضول کاموں اور معاملات سے دور رکھے۔ اور زندگی گُزارنے کے لئے اُس کے پاس اطمینان قلب ہو اور وہ سکون کے ساتھ رہ سکے۔

اسی طرح مقاصد شریعت میں تیسرا درجہ تحفظ عقل کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو عقل عطاء فرمائی ہے اور اسکی حفاظت کیلئے تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے اس کی حفاظت کیلئے تمام نشہ آور چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے۔

اسلام نے نسل انسانی کی بقاء کے لئے نکاح کا حکم دیا ہے اور اس کو اختلاط سے بچانے کے لئے زنا کو حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ مال کو کمانے کیلئے اسلام نے مختلف معاملات کی اجازت دی ہے اور اس کی حفاظت کے لئے چوری کو حرام ٹھہرایا گیا۔ اس طرح دوسرے کا مال ضائع نہ کرنے کا حکم ہے اور اگر کوئی شخص کسی کا مال ضائع کرے تو اس کا تاوان اُس شخص کو دینا ہوگا۔

پانچواں باب

پیشہ طب کی اہمیت وفضیلت:

(The Importance of Medical Profession and its Significance)

انسان جسم اور روح کا مرکب ہے۔ جس طرح انسان کی روحانی ضروریات ہوتی ہیں اسی طرح اس کی جسمانی ضروریات اور تقاضے بھی ہیں۔ جب سے انسان اس دنیا میں آباد ہے۔ اس دن سے صحت اور بیماری دونوں اس کے ساتھ ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر فرماتے ہیں تو ان میں سے ایک کا ذکر سورۃ الشوریٰ میں یہ ہے۔ ''وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ o '' (۱۲۷) جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے شفاء عطاء فرماتا ہے۔

درحقیقت سب سے بڑا حکیم (طبیب) اور شفاء دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور چونکہ انسان زمین میں اس کا خلیفہ ہے تو گویا کہ ایک طبیب اور معالج اس حوالے سے بہت اہمیت رکھتا ہے کہ شفاء دینے والا اللہ تعالیٰ ہے لیکن اس کا ظاہری سبب ایک طبیب ہی بنتا ہے۔

پیشہ طب ایک معزز پیشہ ہے۔ جب کہ طب کے حوالے سے حضورﷺ کی بہت سی علمی وعملی ہدایات موجود ہیں۔ جو اُس کی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کے واقعے کو ذکر کرتے ہوئے سورۃ الاعمران میں فرماتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا ''وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ '' (۱۲۸) ''اور اندھے اور ابرص کو تندرست کر دیتا ہوں اور خدا کے حکم سے مُردے میں جان ڈال دیتا ہوں۔''

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو فرشتوں پر فضیلت علم کی بدولت دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اول روز سے حصول علم میں مشغول ہے اگرچہ علم کے بہت سے شعبے ہیں اور ان میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے لیکن جیسا کہ امام شافعیؒ کا مشہور قول ہے کہ اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ عِلْمُ الْاَدْيَانِ وَعِلْمُ الْاَبْدَانِ (۱۲۹) یعنی حقیقی علم دو ہی ہیں ادیان کا علم اور ابدان کا علم۔ اس سے علم طب کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صحت اور عافیت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

ایک دفعہ حضرت ابو الدرداءؓ نے رسول اللہﷺ سے فرمایا کہ ''یا رسول اللہ ﷺ! اگر مجھے صحت وعافیت حاصل رہے تو شکر کرتا ہوں اور یہ بات اس امر کے مقابلے میں مجھے زیادہ محبوب ہے کہ میں (بیماری کی وجہ سے) آزمائش میں پڑوں اور صبر کروں'' اس پر رسول اللہﷺ نے فرمایا ''اور اللہ کا رسولﷺ بھی تمھارے ساتھ صحت اور عافیت کو محبوب رکھتا ہے۔'' (۱۳۰)

ایک اور حدیث میں ہے کہ: نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغَ (۱۳۱)

دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اکثر لوگ (غفلت کی وجہ سے) خسارے میں ہیں ایک صحت ہے اور دوسری فراغت صحت کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا نمازوں کے بعد کونسی دعا کیا کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سِلِ الْعَافِيَة" اللہ تعالیٰ سے عافیت کے لئے دعا کیا کرو۔ انھوں نے یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سَلِ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَة (۱۳۲) "دنیا اور آخرت کے لئے عافیت کی دعا کیا کرو۔"

یہی نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے صحت و عافیت کیلئے خود دعائیں مانگیں اور ہمیں بھی ان کی تعلیم دی۔ مثلاً أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِيْ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (۱۳۳) "اے اللہ میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں خیر و عافیت کا طالب ہوں۔"

أَللّٰهُمَّ اِنِّي أَسْأَلُكَ صِحَّةً فِيْ إِيْمَانٍ، وَإِيْمَانًا فِيْ حُسْنِ خُلُقٍ، وَنَجَاحًا يَّتْبَعُهُ فَلَاحٌ وَّرَحْمَةً مِّنْكَ وَعَافِيَةً وَّمَغْفِرَةً مِّنْكَ وَرِضْوَانًا (۱۳۴) "اے اللہ! میں تجھ سے صحت کا طالب ہوں ایمان کے ساتھ اور ایمان کا طالب ہوں حسن خلق کے ساتھ، میں ایسی کامیابی کا طلبگار ہوں جس کے بعد فلاح نصیب ہو اور تیری رحمت کا طلبگار ہوں اور تجھ سے صحت اور عافیت، مغفرت اور رضا مندی کا سوال کرتا ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف ہمیں دعائیں سکھائیں بلکہ حفظان صحت کے بارے میں آپ ﷺ سے کئی اقوال مروی ہیں۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

"جب رات ہو جائے تو برتن ڈھانپ دیا کرو، مشکیزے کا منہ بند کر دیا کرو۔ دروازہ بند کر لیا کرو اور چراغ بجھا دیا کرو۔" (۱۳۵)

یہ واضح ہے کہ چاروں امور کا تعلق حفظانِ صحت سے ہے۔ اگر برتن کو ڈھانپ کر نہ رکھا جائے تو اس میں کسی بھی موذی چیز کے گرنے کا احتمال موجود ہے۔ جو کہ صحت کے لئے مضر ثابت ہو سکتا ہے۔ اسی طرح معاملہ پانی کے برتن کا ہے۔ اس طرح دروازہ کُھلا رکھنے سے اور چراغ نہ بجھانے سے کئی اقسام کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

پیغمبر ﷺ بحیثیت طبیب:

(The Holy Prophet S.A.W as a Doctor)

اللہ تعالیٰ نے مختلف قوموں کی اصلاح کے لئے مختلف پیغمبر بھیجے اور ساتھ ہی ان قوموں کے حالات اور واقعات کے

مطابق ان کو معجزات بھی عطا فرمائے۔ جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بیماریوں سے نجات کا معجزہ عطا فرمایا۔

جب حضرت محمد ﷺ کی بعثت ہوئی تو آپؐ نے بھی ملتِ اسلامیہ کی زندگی کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا اور اس سلسلے میں مختلف معجزات بھی عطا ہوئے۔ آپؐ جامع الصفات شخصیت تھے۔ آپ نے جہاں امت کو دیگر معلومات سے متعارف کرایا وہاں آپؐ نے طب کے حوالے سے بھی ارشادات فرمائے۔ جس کی وجہ سے صحاح ستہ کی جملہ کتب میں کتاب المرضٰی اور کتاب الطب کے حوالے سے دو ابواب بھی شامل ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو مختلف امراض کے حوالے سے مختلف دوائیاں بھی تجویز کیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو شفایاب بھی کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے ساتھ اس کا علاج بھی مقرر فرمایا ہے۔ (۱۳۶) اس سلسلے میں طب نبویؐ کے حوالے سے اکثر مستند روایات کی روشنی میں علماء نے کتابیں بھی تحریر کیں ہیں۔ اور یوں آپؐ اسلام کے پہلے معالج شمار کئے جاتے ہیں۔ معلوم یہ ہوا کہ طبی علاج (Medical Treatment) اتنا مقدس پیشہ ہے کہ اس کی نسبت پیغمبروں سے بھی ہے۔ اس وقت بخار کی شدت کو کم کرنے کے لئے معالج حضرات جو دوائیں تجویز کرتے ہیں ساتھ یہ بھی نصیحت کرتے ہیں کہ بخار کو کم کرنے کے لئے ہاتھ اور منہ کو دھویا جائے یا ٹھنڈی پٹی (Cold sponging) کی جائے جبکہ آج سے 1400 سال قبل پیغمبر ﷺ بھی یہ تجویز کیا کرتے تھے۔ (۱۳۷)

آپؐ نے منشیات کے استعمال کے لئے بطور دواء بھی منع فرمایا تھا کہ مسکرات حرام ہیں اور کسی مسکر میں اللہ تعالیٰ نے شفاء نہیں رکھی۔ شراب کو ام الخبائث کا درجہ دیا گیا اور فرمایا کہ یہ دل و دماغ اور جگر کو تباہ کر دیتی ہے، پھیپھڑوں کو برباد کر دیتی ہے اور جسم کی معنوی قوت کو خراب کر دیتی ہے۔ جب کہ اس بات کی تصدیق میں جدید سائنسی تحقیقات نے شراب اور دیگر مسکرات کی برائیوں کو سائنس کی روشنی میں بالکل بے نقاب کر دیا ہے۔

انسانی صحت کو تندرست رکھنے کے بارے میں شہد ایک نہایت مفید غذا ہے جس کے متعلق اطبائے یونان نے بھی بہت کچھ لکھا ہے قرآن نے شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ کہا ہے اور پیغمبر ﷺ شہد کو بہت پسند فرماتے تھے اور اکثر اس کا استعمال کیا کرتے تھے بلکہ فرمایا کرتے تھے اگر تندرست آدمی مہینے میں چار دفعہ بقدرِ اشتہاء شہد استعمال کر لیا کرے تو وہ جملہ امراض کے حملوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ (۱۳۸)

اسی طرح آپؐ دانتوں کی صفائی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ مسواک سے بہت محبت رکھتے تھے جب وضو کرتے مسواک ضرور کرتے۔ ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ جب جبرائیلؑ آتے ہیں تو مجھے مسواک کا حکم ضرور دیتے ہیں۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ اتنی مسواک کرتے تھے کہ ہمیں ڈر رہتا تھا کہ کہیں حضور ﷺ کے مسوڑھے چھل نہ جائیں۔

آپ ﷺ صحابہ کرامؓ سے فرماتے کہ مسواک ضرور کیا کرو اس کے روحانی فائدے بھی ہیں اور جسمانی بھی۔ جسمانی فائدے یہ ہیں کہ تمہاری صحت اچھی رہے گی معدہ کو تقویت پہنچے گی، دماغ صاف اور روشن ہوگا۔ بصارت بڑھے گی۔ اور روحانی فائدے یہ ہیں کہ جس وضو میں مسواک کی جائے گی اس نماز کا اجر دوسری نماز سے ستر گنا زیادہ ملے گا۔ لہٰذا آپ دیکھتے ہیں کہ

ڈاکٹر حضرات دانتوں کے مریض کو برش کرنے کی بہت تاکید کرتے ہیں اور جن کے دانت صاف ہوتے ہیں ان کی صحت اچھی ہوتی ہے اس کے علاوہ بھی بہت سی بیماریوں کا علاج پیغمبرﷺ نے بتایا ہے جن کا احادیث کی کتب میں ذکر ہے۔

حضرت شریح فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہﷺ گھر میں داخل ہوکر سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے؟ تو آپؓ نے فرمایا۔ مسواک۔ایک اور حدیث میں ہے کہ

إِذَاقَامَ مِنَ النَّوْمِ يَشوص فَاه بِالسِّوَاكِ (۱۳۹) حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ جب نیند سے بیدار ہوتے تو آپﷺ اپنا دہن مبارک مسواک سے صاف کرتے تھے۔آج کل تمام معالجین منہ اور دانتوں کی صفائی پر بہت زور دیتے ہیں۔لیکن یہی نصیحت ہمیں رسول اللہﷺ نے بہت پہلے کی اور فرمایا

"طَهِّرُوْا اَفْوَاهَكُمْ "o (۱۴۰) ''اپنے منہ صاف کیا کرو۔'' اور یہ بھی فرمایا: **مَنْ أَكَلَ فَلْيَتَخَلَّلْ** (۱۴۱) کھانا کھانے کے بعد خلال کرو۔

کھانا کھانے کے بعد اگر دانتوں کے درمیان کھانے کے ذرات رہ جائیں تو اس سے دانت گندے معلوم ہوتے ہیں۔ بیماری لگنے کا خطرہ ہوتا ہے۔صرف یہی نہیں آپﷺ نے ہمیں مسواک کرنے کا طریقہ بھی بتایا ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِﷺ يَسْتَاكُ عَرْضًا (۱۴۲) ''رسول اللہﷺ اوپر نیچے مسواک کیا کرتے تھے۔''

اسی طرح احادیث میں رسول اللہﷺ نے ختنہ کرنے، ناخن کاٹنے، ناک میں پانی ڈالنے، بغلوں اور زیر ناف بالوں کو صاف کرنے اور استنجا کا حکم دیا ہے۔ جدید طبی تحقیقات نے ان سارے امور کی اہمیت کو پایہ ثبوت تک پہنچادیا ہے۔

پیشہ طب کی اہمیت خدمت خلق کی وجہ سے بھی ہے کیونکہ یہ ایک ایسا شعبہ ہے جس کے ذریعے انسان کی خدمت بطریقِ احسن کی جاسکتی ہے جس دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت موجزن ہوگی وہ اُس کے بندوں کی محبت سے خالی نہیں ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ سے انسان کا تعلق جس قدر استوار ہوگا بندوں سے بھی اس کا تعلق اسی قدر مضبوط ہوگا۔ چنانچہ قرآن مجید جب انسانوں کے حقوق، ان کی خدمت، اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر کرتا ہے۔تو اس کے آگے پیچھے اللہ تعالیٰ کی عبادت، تقویٰ یا نماز کا ذکر ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے جن لوگوں میں خوف خدا ہوتا ہے جو صحیح معنوں میں اس کے عبادت گزار ہوتے ہیں انسانوں کے ساتھ ان کا رویہ بھی ہمدردی اور خیر خواہی کا ہوتا ہے۔اگر یہی خدمت خلوص اور محبت سے ہو، تو یہ خدمت کرنے والے کے لئے عزت وتوقیر کا باعث ہوتی ہے اور اس کے حق میں محبت اور احترام کا جذبہ ابھرتا ہے۔قرآن مجید نے آغاز نزول وحی سے بنیادی عقائد کے بعد دو باتوں پر خاص طور سے بہت زور دیا ہے ایک یہ کہ انسان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہو وہ صرف اسی کی عبادت کرے اور اس کے سوا کسی کے سامنے اپنا سر نہ جھکائے۔ دوسرے یہ کہ انسانوں کے ساتھ اخلاق سے پیش آئے اور حق داروں کا

حق پہچانے۔اس کا وجود معاشرے کے لئے تکلیف اور آزار کا باعث نہ ہو بلکہ آسائش وراحت کا سبب بنے۔(۱۴۳)

اطباء معاشرے کے لئے بالعموم اور مریضوں کے لئے بالخصوص آسائش اور راحت کا سبب بنتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ عوام الناس ان پر اندھا دھند اعتماد کرتے ہیں اور ان کی زبان سے نکلی ہوئی بات حرف آخر سمجھی جاتی ہے۔ایک مریض اپنے خفیہ راز اور اپنی صحت وزندگی سے متعلق تمام معلومات اپنے معالج کو بتاتا ہے۔اس مقدس پیشہ کے تقاضے کو پورا کرنے والا معالج مرجع خلائق بن جاتا ہے کیونکہ وہ انسانوں کا ہمدرد اور ان کی تکالیف کو ان کی اصلی ہیئت میں محسوس کرنے والا فرد ہوتا ہے۔ایک طرف یہ جتنا معزز پیشہ ہے تو دوسری طرف اس مقام ومرتبہ پر فائز رہنے کے تقاضے اور آداب ولوازمات بھی بہت مشکل ،ذمہ دارانہ اور انتہائی محنت طلب ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ جسمانی صحت جتنی اہمیت رکھتی ہے اتنا ہی ایک معالج ان کے برقرار رکھنے میں اپنا کردار ادا کرسکتا ہے۔اور معالج کے علاج کے نتیجہ میں جب مریض کو اللہ تعالیٰ شفاء دیتا ہے۔تو معالج ایک نہ ختم ہونے والی نیکی کو سمیٹ لیتا ہے۔چاہے وہ اس صحت یافتہ انسان کے نیک اعمال کی صورت میں ہو یا اس کی دعاؤں کے اثرات سے۔بہرصورت ایک معالج ہر دو کا حقدار بن جاتا ہے۔

مسلم اطباء کی خدمات اوران کے اہم کارنامے:

(Contribution and Achievements of Muslim Doctors)

چونکہ علم طب کا تعلق براہ راست حیات انسانی سے ہے اس لیئے جتنی انسان کی تاریخ قدیم ہے اتنی ہی طب کی تاریخ بھی قدیم ہے۔جہاں تک اسلامی دور میں طب کے ارتقاء کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مسلمانوں میں یونانی طب کا رواج یونان کی کتابوں سے ہوا یونانی یا سریانی زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئیں۔خلفائے بغداد قدیم کتابوں کی تلاش میں اہل علم کو دور دراز شہروں میں بھیجتے تھے۔یہ لوگ کتابیں جمع کر کے بغداد لاتے جہاں اُن کا ترجمہ کیا جاتا تھا۔

۱۔ بغداد کا عہد زرین ۲۸۶ ھ /۹۰۰ء سے شروع ہوتا ہے اس دور میں سائینسی علوم اور خصوصًا طب ،غیر مسلوں کے ہاتھوں سے نکل کر مسلمانوں کے ہاتھوں میں آگئی۔اور اس طرح طب میں مسلم کارناموں کا درخشاں باب شروع ہوا۔اس دور کا سرِ خیل ابوبکر محمد بن زکریا الّرازی (المتوفی ۳۰۰ھ/۹۱۲ء) تھا۔الرازی کو یورپ میں Rhazesاور Abubacer کہا جاتا ہے۔آپ ایران کے شہر ''رے'' کے ایک غریب خاندان میں پیدا ہوئے۔ابتدائی زندگی بہت عسرت میں گزری۔۳۸ سال کی عمر میں بیوی بچوں کو چھوڑ کر بغداد تشریف لے گئے اور وہاں جا کر طب کی تعلیم حاصل کرنے میں لگ گئے۔جہاں وہ اپنے استاد کے ساتھ روزانہ ہسپتال جا کر عملی طب میں تجربے کرتے تھے۔انہی تجربات کی بدولت وہ ایک ماہر طبیب بن گئے۔

رازی اپنے آبائی شہر ''رے'' کے سب سے بڑے ہسپتال کے منتظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔جہاں ان کو بہت شہرت ملی۔بعد میں ان کا تبادلہ بغداد ہوا اور ایک ہسپتال کی تعمیر کیلئے موزوں جگہ منتخب کرنے کا کام اِن کے سپرد ہوا۔شفاخانہ کے قیام کے بعد وہ اسکے منتظم اعلیٰ بنائے گئے اور اسی منصب پر آپ آخری دم تک فائز رہے۔

الرازی نے مختلف موضوعات پر تقریباً دوسو پچاس سے زائد کتابیں لکھیں جن میں آدھی کتب طب پر ہیں۔خصوصاً آپ کی کتاب اَلْحَاوِیْ طب کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔اور یہ پچیس جلدوں پر مشتمل ہے۔اس کا لاطینی ترجمہ صدیوں تک یورپ میں داخل نصاب رہا۔

الرّازی نے طب میں علاج کے لئے کئی نئے طریقے نکالے۔جیسے ہارے کالیپ (Mercurial ointment) زخموں کے ٹانکوں (Stitches) میں حیوانی آنتوں کا استعمال (Animal Guts) عِلْمُ الْجُنَیْنِ وَ تَوَلِیْدَ (زنانہ امراض)(Obstetrics & Gynaecology)، اور امراض چشم کی سرجری کے متعلق ان کے ہاں متعدد دریافتیں ہوئی ہیں۔الرّازی پہلا طبیب تھا جس نے یہ رائے قائم کی کہ آنکھ کی پتلی(Pupil) اس میں داخل ہونے والی روشنی کی نسبت سے سکڑتی اور پھیلتی ہے۔

مغرب کے سائنسدانوں نے بھی الرازی سے استفادہ کیا۔راجر بیکن بار بار الرازی کا حوالہ دیتا ہے یورپ کا مشہور سائنسدان اور ماہر علم الابدان آندرے واسلس (Andreas Vasalus) عربی زبان جانتا تھا۔اس نے الرازی کی کتابوں کا عربی زبانی سے ترجمہ کیا۔اور یہ کتابیں ایک لمبے عرصے تک یورپ میں علم طب کے لئے مستند حوالہ بنی رہی۔

۲۔ بغداد کے علاوہ خلافتِ اسلامیہ کے دوسرے شہروں میں یہ زمانہ بڑا زرخیز ثابت ہوا ہے۔سینکڑوں مسلم اطباء نے طب میں نام کمایا اور اعلیٰ درجے کی طبی تصنیفات یادگار چھوڑیں۔ان میں ایک کتاب ''کَامِلُ الصَّنَاعَۃ'' ہے۔جو کہ یورپ میں بہت مقبول ہوئی۔اس کے مصنف علی بن عباس (المتوفی ۳۸۴ھ/۹۹۴ء) ہیں جو یورپ میں (Haly Abbas) کے نام سے مشہور ہیں۔علی بن عباس نے 'اَھْوَاز' میں پرورش پائی اور طب کا علم حاصل کیا۔بعد میں وہ شاہی طبیب ہو گئے اور اس بادشاہ کیلئے انھوں نے ''کتاب اَلْمَلِکِیْ'' تیار کی۔جس میں انہوں نے طبِ عملی،علم تشریح،علم جراحت وغیرہ پر گفتگو کی۔یہ کتاب بھی لاطینی زبان میں ترجمہ کی گئی۔علم الجراحت کے علاوہ زہروں(Poisons) اور ان کے اثرات وتریاق پر بھی ان کی تحقیقات بہت اہم ہیں۔ابوبکر رازی اور علی بن عیسٰی کی کتابوں کو ایک زمانے تک قبول عام حاصل تھا۔

۳۔ ابن سینا علم طبیعات کا بانی کہلاتا ہے۔یہ پہلا مسلمان سائنسدان ہے جس نے روشنی کی رفتار کو لامحدود سے نکال کر ایک معین اور مقرر رفتار دیا۔اُنھوں نے آنکھ کی فزیالوجی (Physiology)، اناٹومی (Anotomy) اور Theory of Visions کو بیان کیا۔ابن سینا نے سمندروں کے پتھروں اور پہاڑوں کے بننے کے علاوہ سمندر کے مردہ جانوروں کی ہڈیوں کے بننے پر بھی تحقیق کی۔اس نے آنکھ کے اندر موجود تمام رگوں اور پٹھوں کی تفصیل واضح کی ہے۔ابن سینا (۳۷۰ھ /۹۸۰ء) میں بخارا کے ایک نواحی گاؤں افشنہ میں پیدا ہوئے۔بخارا میں قرآن،نحو،ادب،فقہ،منطق اور حساب کی تعلیم پائی اور کم عمری ہی میں کمال پیدا کر لیا۔علم طب میں اتنی مہارت حاصل کی کہ سولہ سال کی عمر میں اطباء کو پڑھانے لگے۔

اگر چہ ان کی زندگی کا اکثر حصہ پریشانی اور اضطراب میں گزرا۔لیکن ان حالات میں بھی انہوں نے غیر معمولی کارنامے سرانجام دیئے۔نظم ونثر میں ان کی کتابوں کی خاصی تعداد ہے۔طب میں ان کی شہرہ آفاق کتاب 'القانون فی الطب' چودہ جلدوں

پر مشتمل ہے۔اس کتاب کے پانچ حصے ہیں۔ پہلے میں اصول طب، دوسرے میں ادویہ مفردہ۔تیسرے میں امراض اعضائے خاصہ، چوتھے میں امراض عامہ اور پانچویں میں ادویہ مرکبہ کا بیان ہے۔ابوعلی سینا کی یہ کتاب مشرق ومغرب میں سترھویں صدی تک نصاب کا اہم حصہ تھی۔

۴۔ سپین کے مسلمانوں نے طب کے میدان میں اہم خدمات سرانجام دی ہیں۔مثلاً ان میں ایک بڑا نام ابوالقاسم بن خلف بن عباس الزہراوی کا ہے۔ جو کہ قرطبہ کی نواحی بستی مدینہ الزہرا میں(۹۳۶ ع) میں پیدا ہوئے۔انہوں نے قرطبہ کی یونیورسٹی میں تعلیم پائی اور شہر کے شاہی شفاخانے میں طبیب مقرر ہوئے۔ یہاں انہوں نے علمِ جراحت میں تخصص (Specialization) کیا۔**اور بعد میں سرجری کے موجد کہلائے**۔الزہراوی خلیفہ کے شاہی معالج بھی تھے۔ان کا انتقال قرطبہ میں ہوا۔ابوالقاسم الزہراوی یورپ میں (Abulcasis,Albucasis,AlSharavious) کے ناموں سے مشہور رہے ہیں۔الزہراوی پہلا سرجن ہے جس نے آپریشن کیا۔

الزہراوی نے علاج بالکی یعنی زخموں کو جلانے یا داغنے (Cauterization)مثانہ کی پتھری(Stones) کو پیسنے اورآپریشن کے ذریعے اسے نکالنے، آنکھوں اور دانتوں کی سرجری، قطع اعضا اور پٹی باندھنے کے عملی طریقے بیان کئے، نیز انھوں نے ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے کی وضاحت کی۔ وہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے جراحی آلات کے ذریعے وضع حمل کرانے کا طریقہ ایجاد کیا، جسے آج Walcher Position کہتے ہیں۔انھوں نے کٹی ہوئی شریانوں کا خون بند کرنے کے لئے انھیں باندھنے اور ہڈیوں کو جوڑنے کے بعد ان پر پلستر چڑھانے کے طریقے بتائے۔زخموں کے ٹانکے کے لئے موزوں دھاگوں کا استعمال کرنا بھی ان ہی کی ایجاد ہے۔مزید برآں آپریشن سے پہلے مریض کو مسکن دوائی کھلانا بھی الزہراوی ہی کی ایجاد ہے۔

الزہراوی نے آلات جراحی کی ساخت پر بھی توجہ دی۔ وہ جراحی میں درکار آلات قرطبہ کے کاریگروں سے اپنی نگرانی میں تیار کرواتے تھے۔ یہ آلات اعلیٰ قسم کے فولاد سے بنائے جاتے تھے۔انھوں نے اپنی کتاب میں تقریباً دوسو ایسے آلات کی تصویریں دی ہیں، جو عمل جراحی میں درکار ہوتے ہیں۔ان میں سے اکثر آلات انھوں نے خود ایجاد کیے ہیں۔سرجری میں آج بھی انھیں استعمال کیا جاتا ہے۔

ابوالقاسم الزہراوی نے جراحی کے اصول وقواعد وضع کرکے اسے فن کی شکل عطا کی۔مغرب کے اہل قلم اکثر اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ قرونِ وسطیٰ کے اس مسلم سائنسدان نے سرجری کی ترقی میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔الزہراوی مشرق کے مقابلے میں مغرب پر زیادہ اثر انداز ہوئے ہیں۔ان کی ''کِتَابُ التَّصْرِیف'' کے پانچ لاطینی ترجمے ہوئے۔عبرانی، فرانسیسی، انگریزی اور دوسری زبانوں میں بھی اس کے ترجمے ہوئے ہیں۔ یورپ کے مشہور سائنسدانوں نے اس کتاب سے فیض اٹھایا، التصریف' کا جو عربی لاطینی مصور ایڈیشن (۹۴۸ھ/۱۵۴۱ء) میں باسل سے شائع ہوا،(۱۱۹۲ھ/۱۷۷۸ء) میں جان چینگ نے اس پر اپنی تحقیقات کی بنیاد رکھی۔ان کے بعد لیوسین لکارک نے بھی اسی ایڈیشن کو اساس بنا کر فن جراحی کو فروغ دیا۔

۵۔ اسپین کے اطباء میں ابن زہر بڑے پائے کے حکیم گزرے ہیں، انھیں یورپ میں Abhomeron Avenzoor

کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ ابو مروان عبدالملک ابن ابی العلاء المعروف بہ ابن زہر (۴۸۴ھ /۱۰۹۱ء) میں اشبیلہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان طبی خدمات کے لئے مشہور تھا۔ انھوں نے اپنے والد ابوالعلاء زہر سے طب کا علم اخذ کیا اور والد کی طرح مرابطی سلاطین کے دربار سے وابستہ ہوگئے۔ پچاس سال کی عمر میں انھیں دربار سے نکال کر قید کیا گیا۔ مرابطوں کے زوال کے بعد ابنِ زہر الموحدی سلاطین کے دربار میں چلے گئے، وہاں انھیں منصب وزارت اور درباری طبیب کا عہدہ تفویض ہوا۔ ان کا انتقال (۵۵۷ھ/۱۱۶۲ء) اشبیلہ میں ہوا، جہاں انھیں باب الفتح کے باہر دفن کیا گیا۔

ابن زہر نے بعض ایسی بیماریوں کی تفصیل بیان کی، جو اس سے پہلے اطباء کو معلوم نہیں تھیں۔ مثلاً (پردہ شکم) کے اوپر پھیپھڑوں کے درمیان خالی جگہ میں رسولی کا پیدا ہونا، دل کے بیرونی غلاف پر پھوڑوں کا نمودار ہونا، حلق کا فالج، خارش، کان کا درمیانی حصہ متورم ہونا اور انتڑیوں کا گھلنا وغیرہ۔ انھوں نے بعض ایسی رسولیوں کا ذکر کیا جن پر ان سے پہلے کسی نے بحث نہیں کی تھی۔ ابن زہر نے نرخرے یا حُقنے کے ذریعے مصنوعی طور پر غذا کی ترسیل کے عمل کی وضاحت کی اور طبیعت وآب وہوا کی معالجاتی اہمیت کی طرف توجہ دلائی۔ انھوں نے ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے اور اکھڑی ہڈی کو جوڑ پر بٹھانے کے طریقے ایجاد کیے۔ ابن زہر کی 'کتاب اَلتَّیسِیر' کے کئی لاطینی اور عبرانی ترجمے ہوئے، ابنِ رشد نے انھیں جالینوس کے بعد سب سے بڑا طبیب قرار دیا ہے۔

۶۔ سپین کے مسلم اطباء میں ابن رشد کا نام بھی بہت مشہور ہے۔ انہوں نے ''اَلْکُلِیَّات فِی الطِّبْ'' کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف کی جو کہ لاطینی دنیا میں ''Colliget'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے پردہ چشم (Cataract) کے عمل کی تشریح کی اور سب سے پہلے پتہ چلایا کہ چیچک کے حملے کا شکار ہونے والا بعد میں اس مرض سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

۷۔ ازمنہ وسطی کے دوسرے مسلمان اطباء میں جس نے بہت شہرت حاصل کی ان میں ایک بڑا نام علاء الدین ابوالحسن بن الحزم القرشی الدمشقی (۶۸۷ھ /۱۲۸۸ء) ہے جو کہ ابن النفیس کے نام سے مشہور ہوئے۔ ابن النفیس نے دمشق میں پرورش پائی دینی علوم اخذ کرنے کے بعد مہذب الدین عبدالرحیم الدخوار (المتوفی ۶۲۸ھ/۱۲۳۰ء) سے طب سیکھی۔ بعد میں آپ نے قاہرہ کا سفر کیا اور مصر کے رئیس الاطباء ہوگئے۔ قاہرہ میں ابن النفیس نے بیمارستان ناصری میں کام کیا۔ جب (۶۸۳ھ/۱۲۸۴ء) میں بیمارستان المنصوری الکبیر بن کر تیار ہوا تو ابن النفیس نے اپنا شاندار مکان، اثاثہ اور ذاتی کتب خانہ شفا خانے کو عطیہ کر دیا۔ ان کا انتقال اسی (۸۰) برس کی عمر میں قاہرہ میں ہوا۔ ابن النفیس نے طب کے موضوع پر وسیع ذخیرہ تحریری شکل میں یادگار چھوڑا ہے۔ وہ اگر چہ ایک شارح کی حیثیت سے مشہور ہیں، مگر انھوں نے کتابوں کی بجائے اپنے تجربات اور مشاہدات پر انحصار کیا ہے۔ انھوں نے ابن سینا کی کتابوں کی شرحیں لکھیں اور ''ابن سینا ثانی'' کہلائے۔

عام طور پر یہ مشہور ہے کہ دوران خون (Blood Circulation) کی حقیقت سپین کے ایک عالم (Michael Servtus) (۹۶۰ھ /۱۵۵۳ء) اور انگریزی طبیب (William Harvey) (۱۰۶۷ھ/۱۶۵۷ء) نے کی ہے۔ مگر اب

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ دوران خون کی حقیقت کی دریافت ابن النفیس کا کارنامہ ہے جنہوں نے اپنی کتاب شرح تشریح القانون میں بیان کی ہے۔ سینے اور دل کے امراض کے علاج پر بھی آپ نے تحقیق کی ہے۔

۸۔ مسلمانوں نے آنکھ کی بیماریوں کی طرف خاص توجہ دی، امراض چشم کے ممتاز ماہرین میں پہلے علی بن عیسٰی کا نام آتا ہے جسے مغرب میں Jesu Haly کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انھوں نے تَذْکِرَۃُ الْکَحَّالِیْنَ کے نام سے ایک کتاب تحریر کی جس میں آنکھ کی بیماریوں اور ان کے علاج پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ امراض چشم کے ماہرین میں ابوالقاسم عمار بن علی الموصلی بھی ہے۔ انہیں یورپ میں Canamusli کہا جاتا ہے انھوں نے ''کِتَابُ الْمُنْتَخَبْ فِیْ عِلاَجِ الْعَیْنِ'' تصنیف کی ہے۔ جس میں آنکھ کی بیماریوں اور ان کے علاج کے علاوہ موتیا بند (Cataract) کیلئے چھ اپریشنوں کا بیان ہے۔

۹۔ دوا سازی میں نباتیات (Scrub) کے مُسلّم کردار سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دوا سازی سے اس کا تعلق بھی گہرا ہے۔ بہت سارے پودوں اور جڑی بوٹیوں کے طبی فوائد ہوتے ہیں۔ دوسری صدی ہجری میں مسلمانوں نے اس جانب توجہ دی۔ سب سے پہلے 'جابر بن حیان' نے نباتیات اور زراعت پر بحث کرنے کی ابتداء کی۔ اور تقریباً اسی عہد میں 'عبدالملک اصمعی' نے اس پر بہت لکھا۔ جس میں انھوں نے پودوں اور درختوں کے بارے میں تفصیلات فراہم کیں۔ علمِ نباتیات میں ایک اور بڑا نام ''ابوحنیفہ الدِّینَوْرِیْ'' (وفات ۸۹۵ھ/۱۴۹۰ء) کا ہے۔ انہوں نے نباتات کے موضوع پر ''کِتَابُ النَّبَاتْ'' کے نام سے ایک تصنیف لکھی تھی۔ یہ کتاب چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل تھی۔ مسلمان ماہرین نباتات میں ''ابومنصور موفق بن علی ہروی'' بھی بحیثیت ایک محقق کے بہت شہرت رکھتے ہیں۔ انہوں نے کئی سال تک جڑی بوٹیوں کی تلاش میں دور دراز علاقوں کے سفر کیئے۔

علی بن عیسٰی (وفات ۷۰۱ھ/۱۳۰۱ء) نے اپنی کتاب تَذْکِرَۃُ الْکَحَّالِیْن میں آنکھ کے علاج میں ایک سوتینتالیس (۱۴۳) مفرد دواؤں اور جڑی بوٹیوں کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح 'بوعلی سینا' نے ''اَلْقَانُوْنَ فِی الطِّبْ'' میں آٹھ سو (۸۰۰) نباتاتی دواؤں کا ذکر کیا ہے۔ بوعلی سینا کے ایک ہم عصر 'البیرونی' نے اپنی تصنیف میں سات سوبیس (۷۲۰) مقالات کے تحت مفرد دواؤں کا ذکر کیا ہے۔ اسپین کے نامور اطباء میں 'عریب بن سعد الکاتب القرطبی' (وفات ۳۶۵ھ/۹۷۶ء) کا نام بھی ہے جو کہ ایک بہت بڑے ماہر نباتات کے حوالے سے بھی شہرت رکھتے ہیں۔ اسپین میں ایک اور عالم 'ابن جُلجُل' (وفات ۳۸۴ھ/۹۹۴ء) نے نہ صرف یونانی ماہر نباتیات 'دِیقُوْرِدِیْدُوْس' کی کتاب کی اصلاح کی بلکہ خود اپنی ایک کتاب ''مَقَالَۃٌ فِی ذِکْرِ الْاَدْوِیَۃُ الْمُفْرَدَۃُ''، لکھی۔

ابن ماجہ (المتوفی ۵۳۲ھ/۱۱۳۸ء) نے ایک مشہور مسلم مفکر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر نباتات بھی تھے۔ اور اس حوالے سے انہوں نے ایک رسالہ بھی تحریر کیا۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر انہوں نے مختلف کتابیں لکھی۔ اسپین کے ماہرین نباتات میں 'ابوجعفر محمد الغافقی' نے بھی اس حوالے سے کافی شہرت پائی۔ نباتات کی تلاش و تحقیق میں اسپین کے ایک اور عالم 'ابو العباس' (۶۳۶ھ/۱۲۳۹ء) نے اٹلانٹک سے لیکر بحیرہ قلزم تک سفر کیئے

نباتات کے شعبے میں 'رشید الدین الصوری' (المتوفی ۶۴۱ھ/۱۲۴۱ء) کی کتاب کو بھی بہت شہرت ملی۔ وہ ہمیشہ ایک مصور

اپنے ساتھ رکھتا،اور ہر پودے کی مکمل تصویر بنوا کر اُس میں اس چیز کے رنگ کے مطابق رنگ بھرتا۔

از منہ وسطیٰ کے مسلم ماہرین نباتات میں سب سے زیادہ شہرت جس شخصیت کو ملی اس کا نام ''ابو محمد عبداللہ بن احمد بن البیطار'' (وفات ۶۴۶ھ/۱۲۴۸ء) ہے۔ابن بیطار نے اس موضوع پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔

۱۰۔ مسلمانوں نے بصریات (Vision) کے میدان میں بھی اپنا لوہا منوایا۔الکندی ،ابن سینا اور البیرونی جیسے ہمہ جہت شخصیات نے اِسے موضوع بحث بنایا،لیکن اس میدان میں سب سے زیادہ شہرت ''ابن الھیثم'' کو ملی جسے مغربی دنیا میں (Alhazen) کے نام سے جانا جاتا ہے۔آپ کا پورا نام 'ابو علی الحسن بن الحسین بن الھیثم البصری'(۴۳۰ھ /۱۰۳۹ء) ہے۔آپ بصرہ میں پیدا ہوئے۔ابن الھیثم نے فلکیات، ریاضی، طبیعیات، طب، منطق ،کلام،اخلاقیات،سیاسیات اور شاعری پر تقریباً دو سو (۲۰۰) کتابیں تحریر کیں۔جن میں صرف طبیعات کے موضوع پر چوبیس(۲۴) کتابیں ہیں۔اس میں 'کِتَابُ المَنَاظِر' کو زیادہ شہرت ملی۔اُنہوں نے بہت سی یونانی دریافتوں کی نہ صرف تصحیح کی بلکہ اُن میں مفید اضافے بھی کیے۔اُنہوں نے تمسیک (Focussing)،تکبیر (Magnifying) ،تقلیبِ تمثال (Inversion of Images) اور رنگوں کی تشکیل کے بارے میں دقیق اور درست تصوّرات پیش کیے۔اس طرح اُنہوں نے اپنی کتابوں میں کروی،مقعر اور مکافی آئنوں(Spherical,Concave & Parabolic Mirrors) کے متعلق حقائق قلم بند کئے۔آپ پہلے سائنسدان تھے جنہوں نے کیمرہ مُظلمہ (Camera Obscura) کا اصول دریافت کیا۔انہوں نے اپنی تحریروں میں روشنی کے انعطاف (Refraction of Light) پر مفید ایجادات کیے ہیں۔اسی طرح آپ نے اپنا مشہور نظریہ بصارت(Theory of Vision) کے ذریعے اس غلطی کی تصحیح کی کہ انسان کی آنکھ سے روشنی کی شعاعیں باہر نکلتی ہیں اور وہ چیز پر پڑتی ہے وہ دیکھنے والے کو نظر آتی ہے۔آپ نے ثابت کیا کہ آنکھ سے نکلنے والی کرنوں کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ روشنی جب کسی چیز پر پڑتی ہے تو اس کی مختلف سطحوں سے شعاعیں واپس مڑ کر فضا میں پھیل جاتی ہیں،ان میں سے کچھ شعائیں آنکھ میں داخل ہوتی ہیں جس سے وہ چیز آنکھوں کو نظر آنے لگتی ہے۔

۱۱۔ کیمیا کے میدان میں بھی مسلمان دیگر اقوام سے پیچھے نہ رہے یہاں تک کہ انہوں نے اس علم میں اتنی مہارت حاصل کی کہ دوسرے اقوام ان علوم میں مسلمانوں کے خوشہ چیں ہوگئے۔علم کیمیا میں مسلمانوں کے ہاں سب سے پہلا نام 'خالد بن یزید'(۸۵ھ/۷۰۴ء) کا آتا ہے جنہوں نے سب سے پہلے علم کے حصول میں وقت صرف کیا۔ اسی طرح 'حضرت امام جعفر صادق'(۱۴۸ھ/۷۶۵ء) کیمیا دان کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ البتہ جو شہرت اس میدان میں ''جابر بن حیان'' کو ملی وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی۔آپ کو کیمیا کا 'باوا آدم' کہا جاتا ہے۔اُنہوں نے باقاعدہ تجربات کر کے اسے ایک باقائدہ سائنس کی شکل دی اور اپنے تجربات کو اُنہوں نے محفوظ بھی کیا۔اُنہوں نے کیمیا کے موضوع پر تقریباً ایک سو (۱۰۰) کتابیں تحریر کیں۔اس طرح دیگر مسلمان کیمیادانوں میں ابن حشیہ، ابو یوسف یعقوب الکندِی، ابوبکر الرازی، ابن امید التمیمی ، الفارابی ،ابوالحکیم محمد بن الملک الصالحی الخوارزمی، ابوالقاسم محمد بن احمد العراقی السیماوی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔(۱۴۴)

تحقیق اور اس کی ضرورت:(Research and its Importance)

تحقیق عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں اصلیت معلوم کرنا، دریافت کرنا، تفتیش کرنا، حقیقت کو ثابت کرنا، نیا مواد سامنے لانا۔ اصطلاح میں تحقیق کے معنی ہیں کہ کسی تعلیمی، علمی موضوع کے بارے میں اس طرح تحقیق کرنا، جستجو کرنا یا کھوج لگانا کہ اس کی حقیقی اور اصل شکل اس طرح واضح ہو جائے کہ کسی قسم کا ابہام نہ رہے۔ گویا سچائی کی تلاش کا نام تحقیق ہے(۱۴۵) ۔جبکہ تحقیق کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ مسائل کو حل کرنے کے لئے بہت احتیاط کے ساتھ سائنسی طریقوں کو استعمال کرتے ہوئے تجزیاتی مطالعہ کیا جائے۔

کسی بھی قوم کی ترقی تحقیق پر عمل پیرا ہوئے بغیر ممکن نہیں، جس قوم نے اس میدان میں جس قدر جد و جہد کی اسے اتنی ہی ترقی وعروج حاصل ہوا۔ تحقیق انسانی زندگی کے تمام تر شعبوں میں بہتر سے بہتر کی راہ دکھاتی ہے۔ معاشرہ میں زندگی بسر کرنے والے جن مسائل اور مشکلات سے دو چار ہوتے ہیں تحقیق انہی مسائل اور مشکلات کا حل نکالنے کی عملی قوت رکھتی ہے۔ یہ مسائل اور مشکلات معاشرتی، سیاسی، تعلیمی، سائنسی، تجارتی اور حکومتی منصوبہ بندی سے متعلق بھی ہو سکتے ہیں۔

اسلام وہ واحد مذہب ہے جس کی ابتداء ہی لفظ ''اِقرا ٔ'' سے ہوئی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے تمام امور کی بنیاد علم و تحقیق پر ہے، اسلام نے اپنی آمد کے ساتھ ہی علمی دنیا میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا کی اور بنی نوع انسان کو نفع آور علوم سے روشناس کیا، قرآن وسنت میں تفکر اور تدبر پر اتنا ہی زور دیا گیا جتنا کہ زندگی کے دوسرے شعبوں کے متعلق احکامات دیئے گئے ہیں، اس کی واحد وجہ یہی ہے کہ تفکر اور تدبر انسان پر حقائق کے دریچے کھولتا ہے، سورۃ البقرۃ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لآيَاتٍ لِّأُوْلِيْ الألْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُونَ اللّهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَىَ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذا بَاطِلاً سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ(۱۴۶) ''بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔ جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے) ہیں کہ اے رب! تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے تو (قیامت کے دن) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچانا۔''

سورۃ الفصلت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِيْ الْآفَاقِ وَفِيْ أَنفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ(۱۴۷)'' ''ہم عنقریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ (قرآن) حق ہے کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز سے خبردار ہے۔''

اللہ جل شانہ نے انسان کی فکر و دانش کو نشو و نما بخشنے کے لئے اور علمی و تحقیقی فضاء کو بڑھانے کے لئے نبی کریم ﷺ کے فرائض منصبی میں کتاب وحکمت کی تعلیم کو داخل رکھا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِم(۱۲۸)''

''اے پرودگار ان (لوگوں) میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرمانا جوان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور اُن (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے۔''

اسلام میں تحقیق مثبت جذبوں کی شدت وفراوانی سے جلا پاتی ہے، جن میں سچائی دیانتداری محنت ولگن اور متانت و سنجیدگی جیسی حسین قدریں شامل ہیں، یعنی یہ بتلانا مقصود ہے کہ محض کھوکھلے دعوے کرنا اللہ کو انتہائی ناپسندیدہ ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے زرین ادوار کے علماء بلاتحقیق کوئی کام نہیں کرتے تھے اور اس کے لئے انہوں نے ایسے اصول وضع کئے کہ آج تک ان کا ملنا محال ہے۔

تحقیق کے حوالے سے سورۃ الحجرات میں بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (۱۴۹)'' ''مومنو! اگر کوئی بدکردار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (مبادا) کہ کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا دو پھر تم کو اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے۔''

مذکورہ بالا اصول وضوابط کی روشنی میں اگر تحقیق کی جائے تو صحیح نتائج حاصل ہوتے ہیں اور ان کے اوپر جو رائے قائم کی جاتی ہے وہ یقیناً مستند اور درست ہوتی ہے، انہی امور کی بناء پر تحقیق کی اہمیت بخوبی واضح ہوتی ہے۔

تحقیق میں ایک اور درجہ کی طرف عموماً محقق کا رجحان ہوتا ہے اور وہ تحقیقی مواد کے سلسلے میں تنقید پر مشتمل ہوتا ہے، ان دونوں کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے، تحقیق درحقیقت علم میں اضافہ اور دریافت کا سبب بنتی ہے جب کہ تنقید سے جانچ پڑتال کا موقع ملتا ہے، یہاں اس نکتہ کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے کہ محقق کو تحقیق کے دوران سچائی، غیر جانبداری، ذاتی رغبت، تحمل وصبر، معتدل مزاجی اور اخلاقی جرأت جیسی صفات سے متصف ہونا چاہئے تا کہ دوران تحقیق وہ کسی قسم کے دباؤ اور لالچ میں آئے بغیر حقیقت پسندی کو مدنظر رکھتے ہوئے نتائج کو قارئین کے سامنے پیش کرنے کی جرأت کر سکے۔

معلوم ہوا کہ اسلام سائنس اور سائنسی تجربات کی مخالفت نہیں کرتا، بلکہ متعدد مقامات پر کائنات پر غور وفکر کی دعوت دیتا ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ دین اسلام میں ریسرچ کی اہمیت کا اندازہ تو اس بات سے ہی کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں مطالعہ کائنات پر غور وفکر (ریسرچ) پر سات سو چھپن جب کہ وضو، نماز، صوم، زکوۃ، حج، طلاق، قرض وغیرہ کے فقہی مسائل پر تقریباً ڈیڑھ سو آیات ہیں۔(۱۵۰)

ایک مسلمان ڈاکٹر پر پیشہ ورانہ اہلیت کے ساتھ ساتھ بیماریوں اور دواؤں پر تحقیق اور میڈیکل کے دوسرے شعبوں میں ریسرچ کے ساتھ ساتھ بیماریوں اور دواؤں پر تحقیق اور میڈیکل کے دوسرے شعبوں میں ریسرچ کرنے کی اہم ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' ہر مرض کا علاج موجود ہے اور جب مرض کی صحیح دوا دی جاتی ہے تو مرض (اللہ تعالی کے حکم سے) ختم ہو جاتا ہے(۱۵۱) اس سے یہ واضح سبق ملتا ہے کہ مسلمان ڈاکٹروں کو اس

بات کا یقین ہونا چاہیے کہ وہ ریسرچ کر کے ان تمام بیماریوں کا علاج معلوم کر سکتے ہیں جو موجودہ زمانے میں نا قابل علاج سمجھی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ان کی اتنی مستند پیشہ ورانہ اہلیت بھی ہونی چاہیے کہ وہ بیماری کی ٹھیک تشخیص کر کے اس کے مطابق صحیح دوا بھی تجویز کریں اور پھر اللہ پر بھروسہ رکھیں کہ اللہ مریض کو شفا دے گا۔ موجودہ زمانے میں کئی ادویات میں حرام اجزاء بھی شامل ہوتے ہیں۔ گو کہ حالت اضطرار میں اس کے استعمال کا جواز ہے لیکن ایسے میں مسلمان ڈاکٹروں کے لیے ریسرچ کی اہمیت اس لیے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ ان کا بہتر اور حلال متبادل ڈھونڈا جائے تا کہ مسلمان ڈاکٹر اور مریض حرام ادویات کے استعمال سے بچ سکیں۔

پیشہ طب میں ریسرچ کا ایک اور اہم پہلو یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں ہمیں کئی ایسی اشیاء اور اعمال (Things / procedures and items) کا ذکر ملتا ہے جن کو مختلف حالات میں استعمال کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور کئی تو سنت سے ثابت بھی ہیں۔ مثال کلونجی، کھجور اور شہد وغیرہ کا استعمال اور حجامہ کا عمل۔ حدیث کی مشہور اور مستند ترین کتاب صحیح بخاری میں اس پر ایک الگ باب لکھا گیا ہے جس میں نہ صرف ان چیزوں کا ذکر ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر بطور ادویات استعمال کیں بلکہ بخار کو کم کرنے کے لیے پانی کے استعمال کا ذکر بھی ہے۔ ایسی منصوص اشیاء (قرآن وحدیث میں بیان کردہ) اور اعمال مثلاً (حجامہ) پر بھی کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ نے آٹھ سو سال قبل اس موضوع پر کتاب لکھی (۱۵۲) اور موجودہ زمانے میں بھی محققین نے اس موضوع پر اردو زبان میں قلم اٹھایا ہے جو ایک قابل ستائش مفید کوشش ہے اور عربی سے نابلد ڈاکٹروں کے لیے بھی اس میدان میں مزید کام کرنے کی اچھی بنیاد فراہم کرتی ہے۔ (۱۵۳)

اسی طرح قرآن وسنت میں دی گئی ہدایات کے مطابق (روحانی عالج) جیسے مخصوص آیات یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے (کلمات سے دم کرنا، ذہنی دباؤ) اور بیماریوں سے متعلق ہدایات اور دعا کی اہمیت اور کردار بھی احادیث کی کتب میں ذکر کی گئی ہیں (۱۵۴)۔ اب یہ مسلمان ڈاکٹروں اور تحقیق کرنے والے دوسرے مسلمانوں کا فرض بنتا ہے کہ ان پر جدید وسائل، علوم اور اصول تحقیق کے مطابق عوام الناس کے فائدے کے لیے حلال اور تحقیق کی مروجہ معیاروں (standards) کے مطابق از سر نو کام کریں۔

ایک اور توجہ طلب مسئلہ تحقیق کے اصول اور حدود کا بھی ہے۔ اسلام ایسے تمام اقدامات کی نفی کرتا ہے جن کا تعلق حرام کی کسی قسم سے ہو۔ مثلاً جہاں اضطرار کی حالت میں اعضاء کی پیوند کاری کے معاملے میں شرعی گنجائش موجود ہے وہاں جنسی اعضاء کی پیوند کاری کے حرام ہونے پر بھی فقہاء کرام کا اتفاق ہے (۱۵۵)۔

اسی طرح ریسرچ کے دوسرے دائروں مثلاً جینیاتی ریسرچ (Genetic Research) ماں اور بچے کی صحت (Reproductive Health) اور حمل (Pregnancy) کے معاملات اور ریسرچ کی اخلاقیات (Ethics) (Research کے بارے میں شرعی نقطہ نظر معلوم کرنا اور اس کی حدود کا تعین کرنا بھی مسلمان ڈاکٹروں اور صاحب علم افراد کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ (۱۵۶)

چھٹا باب

معالج کی صفات

(The Qualities of a Doctor)

طب ایک مقدس پیشہ ہے جو اخلاقی حدود و قیود کے اندر خدمت انسانی جیسی اہم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ معالج کے پاس جب مریض آتا ہے تو وہ ایک مجبور انسان ہوتا ہے۔ اور مجبور انسان کی حالت ایک معالج سے تمام صفات حسنہ سے متصف ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ اگر چہ یہ صفات بہت زیادہ ہیں تا ہم حسب ذیل صفات سے معالج کا متصف ہونا از حد لازمی ہے۔

1۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا علم

(The Rights of Almighty Allah and Human being)

اسلامی نقطہ نظر میں نماز، روزہ، حج، ذکر و اذکار وغیرہ کو عبادت تصور کیا جاتا ہے۔ اسلام میں عبادت کا تصور جوگیانہ اور جاہلانہ تصورات سے بالکل مختلف ہے۔ اسلام اور ایمان کے بعد انسان اس بات کا اقرار کرتا ہے وہ اس دنیا میں اللہ کا نمائندہ (خلیفہ) ہے۔ اس کے رب نے اسے کچھ اختیارات اور ذمہ داریاں دے رکھی ہیں اور ان کو ادا کرنے کے لیے بغیر رہنمائی کے نہیں چھوڑا بلکہ قرآن اور سنت کے صورت میں مکمل رہنمائی (Guide lines) فراہم کر دی ہے۔ اب اس رہنمائی کے تحت ان اختیارات اور ذمہ داریوں کے سمجھنے اور ادا کرنے کا نام عبادت ہے۔ اسی طرح ذکر الٰہی کا مطلب صرف یہ نہیں کہ زبان پر اللہ اللہ جاری ہو بلکہ ذکر تو یہ ہے جو چیزیں اللہ سے غافل کرنے والی ہیں انسان ان میں نہ پھنسے اور زندگی کے ہر شعبے اور ہر کام میں اللہ کو یاد رکھے۔ یہی حقیقی ذکر اور عبادت کا مفہوم ہے۔

پس مندرجہ بالا تمام کام اگر اس نقطہ نظر سے، بتائے ہوئے طریقہ کار کے مطابق کیے جائیں گے تو یہ سب عبادت ہی تصور ہوں گے اور ان شاء اللہ ہم اس کے لئے اللہ کی طرف سے پورے اجر کے حقدار ہوں گے۔

انسان کے ذمہ بنیادی طور پر دو حقوق ہیں یعنی 1۔حقوق اللہ اور 2۔حقوق العباد (جس میں وہ خود بھی شامل ہے) حقوق اللہ (مثلاً توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ) کا تعلق اللہ اور بندے کے درمیان ہے اور وہی اس کا حساب لے گا اور بخشش کا فیصلہ بھی کرے گا۔ لیکن حقوق العباد میں کوتاہی اللہ اُس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک متعلقہ شخص اس کو معاف نہ کرے (مثلاً کسی کا مال کھانا، اس کی غیبت کرنا یا اس کا کوئی حق مارنا) اس لئے بعض علماء نے ترجیحات میں حقوق العباد کو حقوق اللہ پر مقدم رکھا ہے۔ اگر چہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ حقوق اللہ کا درجہ کم ہے بلکہ اس سے حقوق العباد کی اہمیت کو واضح کر نا مراد ہے۔ مثلاً ایک مریض کی جان بچانے کیلئے آپریشن جاری ہے تو نماز (حقوق اللہ) کو مؤخر کیا جائے گا حتی کہ آپریشن مکمل ہو جائے۔

جس طرح حقوق اللہ کو ہم عبادت سمجھتے ہیں اسی طرح حقوق العباد بھی عبادت ہی ہیں اگر اللہ اور رسول ﷺ کے بتائے

ہوئے طریقے کے مطابق ادا کیا جائے۔اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ہم پر دین کا اتنا علم حاصل کرنا فرض ہے جس سے ہم ان دونوں حقوق کو صحیح طریقے سے ادا کر سکیں۔

عبادت کا لفظ قرآن میں انسان اور جن کے لئے استعمال ہوا ہے جب کہ تسبیح اور سجود کا لفظ مخلوقات (جاندار اور غیر جاندار) سب کے لئے استعمال ہوا ہے مثلاً سورہ رحمان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ o (۱۵۷) ''اور ستارے اور شجر سجدہ کرنے والے ہیں''۔

تسبیح اور سجود میں ارادی عمل کا شامل ہونا ضروری نہیں ہے اللہ نے جس چیز کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے وہ اس کے مطابق کام کر رہی ہے اس کو تسبیح اور سجود کہا جاتا ہے۔ جبکہ عبادت (جس میں تسبیح اور سجود بھی شامل ہے) وہ تمام اعمال ہیں جو اللہ اور رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ارادی طور پر کیے جائیں۔عبادت میں ارادے کا شامل ہونا لازم ہے۔اور یہ صرف انسان اور جنات تک ہی محدود ہے کیونکہ ارادے (نیت) میں صرف ان ہی کو اختیاری بنایا گیا ہے۔عبادت کی معراج اس طرح بیان کی جاسکتی ہے کہ مومن کا ہر عمل جو اللہ کی رضا کیلئے سنت نبوی ﷺ کے مطابق اس طرح کیا جائے کہ مکمل اطاعت اور ظاہر و باطن کی پوری آمادگی کے ساتھ دل کی مکمل محبت شامل ہو اور جس کے کرنے سے انسان کو مکمل سکون اور خوشی بھی حاصل ہو جائے۔

کسی شخص کی تکلیف دور کرنا (مثلاً مریض کا علاج کرنا) انسان کی خدمت کیلئے علم حاصل کرنا یا تحقیق کرنا (Research) مثلاً طب و دوسری سائنسی یا معاشرتی علوم (یا اس مقصد کیلئے اور علوم) کسی انسان سے کوئی بھی بھلائی یا نیکی کرنا، سب کے سب عبادت میں داخل ہوں گے۔ بشرطیکہ یہ اعمال مومن اللہ کی رضا کی نیت سے کرے۔اس طرح ڈاکٹر اپنی نیت اور مقصد کو شعوری طور پر اللہ کی رضا پر رکھ لے تو اس کے تمام اعمال حتیٰ کہ اس کی کلینک کی ذاتی پریکٹس بھی عبادت میں داخل ہوگی بشرطیکہ وہ یہ کام اللہ اور رسول ﷺ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق انجام دے۔

انسان کیلئے یہ دنیا دَارُ الاِ مُتحَان ہے۔اس امتحان میں وہ اس وقت کامیاب ہوسکتا ہے کہ جب وہ سب سے پہلے اپنے رب کے حقوق جان لے۔ اور اس کے بعد چونکہ معالج کا واسطہ لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے تو اس کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اپنی ذات کے حقوق سے لے کر والدین، اساتذہ ہم پیشہ وغیرہم پیشہ اور مریضوں کے حقوق کیا ہیں؟۔ یہی چیزیں ایک معالج کی شخصیت سازی میں اس وقت بھرپور کردار ادا کرتی ہیں، جب وہ ان تعلیمات پر پوری طرح عمل پیرا ہو اور اس کیلئے ضروری ہے کہ معالج کو اپنے پیشے سے متعلق فقہی مسائل کا ضروری علم حاصل ہو۔اس کیلئے اسے قرآن، حدیث اور فقہ کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیئے۔ تاکہ وہ خود بھی دینی اعتبار سے فیصلہ کر سکے۔عورتیں اپنے معالج سے اپنی پوشیدہ بیماریوں، حیض، نفاس، زچگی اور حمل کے دوران نماز، روزہ اور دوسری عبادات کے بارے میں احکامات پوچھتی ہیں، اگر معالج کو اپنے پیشہ ورانہ علم کے ساتھ ساتھ دینی احکام و مسائل کا بھی علم ہو تو وہ دینی اور پیشہ ورانہ فرائض سے کما حقہ عہدہ برآ ہوسکتا ہے۔ اگر اسے یہ علم نہ ہو تو وہ اپنے مریض کو غلط مشورہ دے کر خدا کے ہاں

قابل مواخذہ ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں اس کے بتانے پر اگر مریض کوئی ایسا کام کرتا ہے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی تو اس کا ذمہ دار وہ معالج ہوگا جس نے اسے ایسا مشورہ دیا اسی طرح ایک معالج کو مریض کے علاج معالجہ کے وقت اللہ سے ہر وقت شفاء طلب کرتے رہنا چاہیئے کیونکہ معالج محض علاج کا وسیلہ ہے۔ شفاء دینا معالج کے بس میں نہیں ہوتا وہ تو صرف خدا ہی دے سکتا ہے۔ (۱۵۸)

واضح رہے کہ حقوق اللہ کے زمرے میں تمام عبادات مثلاً نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ آتے ہیں۔ جب ایک بندہ حقوق اللہ کی صحیح ادائیگی کرتا ہے تو لامحالہ اسے حقوق العباد کی ادائیگی میں آسانی ہوتی ہے۔ حقوق العباد کی فہرست بہت لمبی ہے۔ تاہم حسب ذیل میں چند حقوق العباد بیان کیے جاتے ہیں تاکہ معالج حضرات کی توجہ ان کی طرف مبذول ہوسکے اور اس حوالے سے متعلقہ تفصیلات کے جاننے کے لئے دوسرے مآخذ سے استفادہ کرسکیں۔

۲۔ حقوق والدین(Rights of Parents):

اسلام کے معاشرتی نظام میں خاندان کی بنیادی حیثیت ہے۔ اور کوئی بھی خاندان ماں، باپ کے وجود کے بغیر تشکیل نہیں پاسکتا۔ اور خاندانی رشتوں کی بنیاد یہی ہے۔ قرآن پاک اور سنت نبوی میں والدین کے حقوق پر بڑی تفصیل کے ساتھ احکامات دیئے گئے ہیں۔ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا"o (۱۵۹) "اور خدا ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور رفقائے پہلو (یعنی پاس بیٹھنے والوں) اور مسافروں اور جو لوگ تمھارے قبضے میں ہوں سب کے ساتھ احسان کرو کہ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور تکبر کرنے والوں بڑائی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔" سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ o (۱۶۰) "(اے محمد ﷺ) لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کس طرح کا مال خرچ کریں۔ کہدو کہ (جو چاہو خرچ کرو لیکن) جو مال خرچ کرنا ہو وہ (درجہ بدرجہ اہل استحقاق یعنی) ماں باپ کو اور قریب کے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو (سب کو دو) اور جو بھلائی تم کرو گے خدا اس کو جانتا ہے۔"

سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد باری ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ط اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْ هُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا oوَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىْ صَغِيْرًا o (۱۶۱) "اور تمھارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی

کرتے رہو اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمھارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا اور عجز و نیاز سے ان کے آگے جھکے رہو اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگار جیسا انہوں نے میری بچپن میں (شفقت سے) پرورش کی ہے تو بھی ان (کے حال) پر رحمت فرما۔'' اسی طرح احادیث میں بھی اس کی بہت تاکید آئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کی ناک خاک آلودہ ہوئی اس کی ناک خاک آلودہ ہوئی اس کی ناک خاک آلودہ ہوئی عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کس کی؟ فرمایا جس نے ماں باپ میں سے ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے میں پایا (اور) پھر جنت میں داخل نہ ہوا۔ (۱۶۲)

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کہتی ہیں کہ قریش کے معاہدہ کے دوران میری ماں جس کا نام قبیلہ تھا جو اس وقت مشرکہ تھی میرے پاس آئی تو میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میری ماں میرے پاس آئی ہیں۔ اور کچھ خواہش رکھتی ہیں کیا میں اس سے مہربانی کروں؟ فرمایا ہاں۔ اس سے مہربانی کر۔ (۱۶۳)

إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوْقَ الْأُمَّهَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ (۱۶۴) ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے یقیناً تم پر حرام ٹھہرائی ہے ماؤں کی نافرمانی اور بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا۔'' ایک دوسری جگہ فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَآئِرِ أَنْ يَّلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قَالَ يَسُبُّ الرَّجُلُ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ وَيَسُبُّ أُمَّهُ. (۱۶۵) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ ایک آدمی اپنے والدین پر لعنت بھیجے۔ پوچھا گیا کہ آدمی اپنے والدین کو کیسے گالی دیتا ہے؟ فرمایا کہ ایک شخص کسی آدمی کے والد کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے والد کو گالی دیتا ہے۔ اور اُس کی ماں کو گالی دیتا ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

رَضَى الرَّبِّ فِيْ رَضَا الْوَالِدِ وَسَخَطَ الرَّبِّ فِيْ سَخَطَ الْوَالِدِ (۱۶۶) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رب کی رضا والد کی رضا اور رب کی خفگی والد کی خفگی میں ہے''۔ فرمایا: **يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، مَاحَقُّ الْوَالِدَيْنِ عَلَى وَلَدِهِمَا؟ قَالَ: هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ.** (۱۶۷) 'ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ والدین کا اولاد پر کیا حق ہوتا ہے؟ فرمایا وہ تیری جنت اور تیری دوزخ ہیں۔''

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ أَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِيْ قَالَ أُمُّكَ قَالَ! ثُمَّ مَنْ ! قَالَ أُمُّكَ قَالَ! ثُمَّ مَنْ قَالَ أُمُّكَ !قَالَ! ثُمَّ مَنْ !قَالَ ثُمَّ أَبُوكَ (۱۶۸) ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ فرمایا تمھاری ماں، بولا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں، بولا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں۔ بولا پھر کون؟ فرمایا تیرا باپ۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی اطاعت بیک وقت نیکی بھی ہے اور معاشرتی خوبی بھی ہے۔ ان کی اطاعت سے معاشرے میں یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے جب کہ ان کے ساتھ بدسلوکی کے نتیجے میں نافرمانی کی فضا عام ہوگی۔ دور

حاضر میں معاشرتی انتشار کی وجہ سے حالات دگرگوں ہوگئے ہیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ والدین کے حقوق سے آگاہی حاصل کی جائے جس میں دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔

۳۔ اولاد کے حقوق: Rights of Children

اسلام کے معاشرتی نظام میں تمام اکائیاں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں اور یہ اخلاقی ماحول کو قائم رکھنے کا ذریعہ ہیں۔ اسلام اگر ایک طرف والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے تو دوسری طرف والدین کو بچوں کے حقوق سے بھی آگاہ کرتا ہے چونکہ اولاد مستقبل کے معمار ہیں۔ اس لئے بچوں کی تربیت اور بھی زیادہ اہمیت اختیار کر جاتی ہے۔

اسلام تربیت اور حقوق کے حوالے سے لڑکے اور لڑکی میں تفریق نہیں کرتا۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں یہ قباحت سرایت کر چکی ہے اور عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ لڑکے اور لڑکی کی تربیت میں ناانصافی سے کام لیتے ہیں۔ اس حوالے سے معالج کی خصوصی ذمہ داری بنتی ہے کہ معاشرہ کے عام لوگوں کے درمیان آگاہی پیدا کرنے کیلئے حتی الوسع کوشش کرے کہ اولاد کے ساتھ چاہے لڑکا ہو یا لڑکی ایک جیسا سلوک روا رکھے۔ اسکے سامنے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پیش نظر رہنی چاہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ (لوگوں) آؤ کہ میں تمہیں وہ چیز پڑھ کر سناؤ کہ تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہے۔ (اس کی نسبت اس نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے) کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بنانا۔ اور ماں باپ سے (بدسلوکی نہ کرنا بلکہ) اچھا سلوک کرتے رہنا اور ناداری (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔ کیونکہ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ اور بے حیائی کے کام ظاہر ہو یا پوشیدہ ان کے پاس نہ پھٹکنا۔ اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو خدا نے حرام کر دیا ہے۔ قتل نہ کرنا۔ مگر جائز طور پر (یعنی جس کا شریعت حکم دے) ان باتوں کو وہ تمہیں ارشاد فرماتا ہے۔ تاکہ تم سمجھو (۱۶۹)۔ سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ رَبَّکَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ط اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا o وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُھُمْ وَاِیَّاکُمْ ط اِنَّ قَتْلَھُمْ کَانَ خِطْاً کَبِیْرًا o (۱۷۰) بے شک تیرا رب جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے۔ اور (جس کی روزی چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں سے خبردار ہے۔ اور (انکو) دیکھ رہا ہے۔ اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا (کیونکہ) ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ ان کا مار ڈالنا بڑا سخت گناہ ہے۔ یہی مضمون سورۃ التکویر میں یوں بیان ہوا ہے۔

وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ o وَاِذَا الْمَوْءٗدَۃُ سُئِلَتْ o بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ o (۱۷۱) اور جب جانیں (جسموں سے) ملا دی جائینگی۔ اور جب زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا۔ کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی؟ سورۃ الاسریٰ میں ارشاد ہے۔ **وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ ط** (۱۷۲) اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا

زمانہ جاہلیت سے لیکر آج تک عام طور پر لڑکیوں کی پیدائش پر ناراضگی کا اظہار کیا جاتا ہے قرآن پاک میں اس جیسے لوگوں کے متعلق سورۃ النحل میں کہا گیا ہے۔ **وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُھُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْھُہٗ مُسْوَدًّا وَّھُوَ کَظِیْمٌ o** (۱۷۳) حالانکہ

جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے) کی خبر ملتی ہے تو اُس کا منہ (غم کے سبب) کالا پڑ جاتا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے لڑکیوں کی تربیت پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعام کا ذکر فرمایا ہے

مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ دَخَلْتُ أَنَا وَهُوَ الْجَنَّةَ كَهَاتَيْنِ، وَأَشَارَ بِأَصْبُعَيْهِ (۱۷۴) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے دولڑکیوں کی پرورش کی۔ وہ اور میں جنت میں اس طرح داخل ہوں گے اور آپ ﷺ نے انگلیوں کو ملایا۔

ایک اور حدیث میں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کی عورت (بہن، بیٹی) ہو اور وہ اسے زندہ نہ گاڑے اور اس کی توہین نہ کرے اور لڑکوں کو ان پر ترجیح نہ دے اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ (۱۷۵)

بہر حال اولاد چاہے لڑکا ہو یا لڑکی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اور ان کی صحیح تربیت کر کے ہی انسان اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر خالد علوی صاحب نے اپنی کتاب میں چند امور کا ذکر کیا ہے جو کہ بہت قابل توجہ ہیں۔

۱۔ بچوں کی نفسیات معلوم کر کے ان سے سلوک کیا جائے۔

۲۔ ان کے لئے اچھے علمی مراکز اور عمدہ تربیتی ماحول کو پیدا کیا جائے۔

۳۔ عمدہ کتابیں مہیا کی جائیں۔

۴۔ ان کے لئے اچھی اور صحت مند تفریح گاہیں مہیا کی جائیں۔

۵۔ ان کے لئے اخلاقی اصولوں کی خوبی اور عملی مشق کا انتظام کیا جائے۔

۶۔ ان کے لئے ایسا نظام ہو جس میں اعتدال ہو (جس میں بہت سختی ہو نہ بہت نرمی) جس سے ان کی نفسیاتی الجھنوں کا سدِّ باب ہو سکے۔

۷۔ مخرب اخلاق اشیاء اور ماحول کو ختم کر دینا چاہیئے تا کہ ان کے عمدہ اوصاف تشکیل پائیں اور معصوم ذہنوں پر برے اثرات مرتب نہ ہوں۔ (۱۷۶)

اسی طرح اسلام حقوق الزوجین کے بارے میں بھی تاکید کرتا ہے کہ جس طرح عورت پر شوہر کے حقوق ہیں۔ مثلاً نیک کاموں میں اطاعت، اپنی عصمت اور شوہر کے مال کی حفاظت وغیرہ تو اسی طرح شوہر پر بیوی کے بھی بہت سے حقوق ہیں مثلاً ، نان ونفقہ، حسن سلوک اور میراث وغیرہ۔

اسلام ہمیں جس طرح والدین، اور زوجین کے حقوق کی تاکید کرتا ہے اسی طرح رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کی بھی تاکید کرتا ہے۔ کیونکہ اس سے نہ صرف آپس کی محبت بڑھتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو دونوں جہانوں میں اس کا صلہ بھی عطا فرماتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: **عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِيْ رِزْقِهِ، وَأَنْ يُنْسَأَلَهُ فِيْ أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَه**، (۱۷۷) حضرت ابوھریرہؓ سے (روایت ہے) کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت کی جائے اور اس کی اجل میں تاخیر کی جائے تو صلہ رحمی کرے۔

استاد اور شاگرد کے باہمی حقوق:Mutual Rights of Teacher and Student

استاد اور شاگرد تعلیمی نظام کے دو نہایت اہم عنصر ہیں تعلیم کا اصل مقصد اچھی سیرت سازی اور تربیت ہے۔ اس لحاظ سے تعلیم و تربیت شیوہ پیغمبری کہلاتی ہے۔ معلم کی ذمہ داری صرف پڑھانا اور سکھانا نہیں بلکہ تربیت دینا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کے بارے میں سورۃ البقرہ میں فرماتا ہے ''وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِم ''(۱۷۸) انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیں اور ان کو خوب پاک و صاف کر دیں۔ لہٰذا استاد اور شاگرد دونوں کی اپنی اپنی جداگانہ ذمہ داریاں ہیں ان ذمہ داریوں کو بطریق احسن پورا کیا جائے تو پھر تعلیم کے اثرات نمایاں ہو جاتے ہیں۔

شاگرد پر استاد کا پہلا حق اس کا احترام کرنا ہے اور یہ احترام نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کی توقیر نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے(۱۷۹)۔ کیونکہ استاد باپ کے درجہ میں ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اِنَّمَا اَنَا بِمَنْزِلَةِ الْوَالِد،اُعَلِّمُكُمْ (۱۸۰) ''میں تمہارے لئے بمنزلہ والد ہوں۔ اور تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔ چنانچہ استاد جو روحانی باپ سمجھا جاتا ہے اس کی عزت کرنی چاہیے۔ گستاخانہ طرز گفتگو سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اور ان کے سامنے ادب اور شائستگی کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے اور اپنی آواز کو استاد کی آواز سے اونچا نہیں کرنا چاہیے۔ طالب علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسباق میں غیر حاضری سے اجتناب کرے۔ لیکچر کے دوران اگر کسی بات کی سمجھ نہ آئے تو لیکچر ختم ہونے پر پوری سنجیدگی سے سوال کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: علم کی محتاجی کا علاج سوال کرنے میں ہے(۱۸۱)۔ شاگرد استاد کی غلطی برداشت کرے کیونکہ وہ بھی انسان ہے اور غلطی کا سرزد ہونا انسان کی صفت ہے لہٰذا استاد کی غلطیوں کی تشہیر نہ کرے بلکہ اس کی اصلاح کیلئے توجہ دلائے۔

اسی طرح سے ایک تعلیمی و دینی درسگاہ میں مرکزی حیثیت استاد کی ہوتی ہے جس کے بغیر صحت مند معاشرہ کی تشکیل نا ممکن ہے۔ معلم ہی وہ اہم شخصیت ہے جو تعلیم و تربیت کا محور و منبع ہوتا ہے۔ مہذب معاشروں میں استاد کو ایک خاص مقام و مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ مہذب توانا اور پرامن باشعور معاشرہ کا قیام استاد ہی کی مرہون منت ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو باعث فخر سمجھتے ہوئے فرمایا: ''اِنمّا بِعِثْتُ مُعَلِّمًا (۱۸۲)'' مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اسلام نے دنیا کو علم کی روشنی عطا کی اور علم کا چراغ انسان کو عمل کی منزل تک پہنچاتا ہے۔ قرآن کریم کی روشنی میں اولین معلم تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ تاہم اس کا عملی نمونہ نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ آپ نے مسجد نبوی میں تعلیم و تربیت کے لئے ایک خاص جگہ مقرر کی تھی۔ جو آج بھی موجود ہے۔ اور صفہ کے نام سے مشہور ہے اور اس کو اسلام کی پہلی درسگاہ کا اعزاز حاصل ہے۔ لہٰذا اساتذہ کرام جو اس مقدس پیشہ سے وابستہ ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ طلباء و طالبات کو اپنی اولاد کی طرح سمجھیں ان کے سوالات پوچھنے پر ناراض نہ ہوں اور نہ ہی ان کی بے عزتی و تذلیل کریں۔ کلاس لینے سے پہلے خوب تیاری کریں، نرمی اور خوش اخلاقی کے ساتھ ساتھ تربیت کے اصول بھی واضح کریں۔ فضول باتوں میں وقت ضائع نہ کریں اپنا تشخص اور وقار بحال رکھیں پوری سنجیدگی متانت اور امانت کے ساتھ طلباء کو سمجھائیں اور نبی کریم ﷺ جس طریقے سے صحابہ کرام کو تعلیم و

تربیت کے زیور سے آراستہ کرتے تھے اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے لئے مشعل راہ سمجھیں۔

علاوہ ازیں اسلام معاشرے کے دیگر افراد مثلاً بیماروں، ہمسایوں، غیر مسلموں حتی کہ خدمت گاروں کے حقوق ادا کرنے پر بھی زور دیتا ہے۔ حقوق کا دائرہ محض دوسروں تک نہیں پھیلا ہوا ہے بلکہ خود نفس انسانی کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ جن کو حقوق النفس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسلام تمام حقوق میں اعتدال قائم کرتا ہے۔ اور وہ دوسروں کے حقوق کے ساتھ ساتھ اپنی جان کے حقوق پر بھی زور دیتا ہے۔ نفس انسانی کے حقوق کی اہمیت اتنی ہی ہے جتنے دوسرے حقوق کی۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں نفس کے حقوق کا تعین کیا گیا ہے۔ یعنی فرائض کے علاوہ اتنی زیادہ عبادت کرنا جو انسانی صحت پر نظر انداز ہوتی ہو یا اس سے کوئی اور دینی تقاضا نظر انداز ہوتا ہو۔ اُس سے منع کیا گیا ہے۔ لہذا معلوم یہ ہوا کہ اسلام اعتدال کی تعلیم دیتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن نے نفس کی مختلف اقسام بیان کی ہیں۔ مثلاً

نَفْسِ اَمَّارَۃٌ:

نفس امارہ سے مراد وہ نفس ہے جو انسان کو برے کاموں کی طرف بلانے اور اس میں مبتلا کرنے کا داعی ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی سورہ یوسف میں اللہ فرماتا ہے۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَ مَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ (۱۸۳) ''کیونکہ نفسِ امّارہ (انسان کو) برائی ہی سکھاتا رہتا ہے''۔

نَفْسِ لَوَّامَۃٌ:

نفس لوامۃ سے مراد یہ ہے کہ انسان برے کاموں پر ندامت اختیار کر کے اپنی اصلاح کرے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ سورہ قیامہ میں نفس لوامۃ کی قسم کھاتے ہیں کہ ''وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ o''۔(۱۸۴) ''اور نفس لوامۃ کی (کہ سب لوگ اُٹھا کر) کھڑے کیے جائیں گے''۔

نَفْسِ مُطْمَئِنَّۃٌ:

مطمئنہ کے لفظی معنی ساکنہ کے ہیں۔ اس سے مراد وہ نفس ہے۔ جو اللہ کے ذکر اور اس کی اطاعت سے سکون وقرار پاتا ہے۔ یہ سکون ریاضات ومجاہدات کر کے اس کے نفس میں اور مزاج میں پوری طرح متمکن ہوا ہوتا ہے۔ سورۃ الفجر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ o ''(۱۸۵) اے اطمینان پانے والی روح۔

مولانا فتح محمد جالندھریؒ نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ ایک نفس وہ ہوتا ہے جو گناہوں اور برے کاموں کی طرف مائل رہے۔ اُس کو نفس امّارہ یا امّارہ بالسُّوٗء کہتے ہیں۔ دوسرا جو برائی اور قصور کے سرزد ہونے پر ملامت کرے۔ کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی؟ اس کو نفس لوامۃ کہتے ہیں۔

تیسرا جو نیکیوں کی طرف راغب اور برائیوں سے متنفر ہو۔ ایسا جی بڑے چین میں رہتا ہے۔ اور اس کو نفسِ مُطْمَئِنَّۃٌ کہتے ہیں۔(۱۸۶)

قرآن نے نفس کے بارے میں مندرجہ بالا تقسیم اس لئے کی ہے کہ انسان اپنے آپ کو بُرے کاموں سے

رُو کے رکھے۔اور اگر کوئی اُس سے بُرا کام سرزد بھی ہو جائے۔تو نفس لوامہ کی وجہ سے اُس پر ندامت کا اظہار کرے گا۔ رُجوع الی اللہ ہوگا۔اور اس طرح نفس مطمئنہ حاصل کر کے حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال رکھے گا۔ جو اُس کی نجات کا سبب بنے گا۔

2. حکمت ودانائی "Wisdom"

حکمت ودانائی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔اللہ تعالیٰ سورۃ البقرہ میں فرماتا ہے۔

"وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا o" (۱۸۷) اور جس کو دانائی ملی بیشک اس کو بڑی نعمت ملی۔

اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے فرائضِ منصبی بیان کرتے ہوئے سورۃ بقرہ میں فرماتا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (۱۸۸) خدا نے مؤمنوں پر بڑا احسان کیا ہے۔کہ ان میں انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور (خدا) کی کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حکمت ودانائی کا ذکر قرآن مجید میں تقریباً بیس مرتبہ کیا ہے۔حکمت ودانائی کی تعریف بہت سے فلاسفروں اور محققین نے مختلف انداز میں کی ہے۔لیکن ان سب میں مشترک بات یہ ہے کہ مخاطب کی عقل کے پیمانے کے مطابق ان سے سلوک کیا جائے۔یہ بات ویسے تو ہر ایک انسان کے لئے لازمی ہے کہ وہ اس صفت سے متصف ہو لیکن ایک معالج کے لئے اس لئے ضروری ہے کہ اس کے پاس اکثر اوقات ایسے مریض آتے ہیں جو ان پڑھ یا کم تعلیم یافتہ ہوتے ہیں اس صورت میں اگر ایک معالج اپنی ذہنی اور عقلی سطح پر ان سے بات کرے گا تو ظاہر ہے اس سے زیادہ فائدہ کی امید نہیں کی جاسکتی۔لیکن اگر معالج مریض کی ذہنی اور عقلی سطح کو مدنظر رکھے تو صحیح تشخیص اور نتائج اخذ کرنے میں آسانی ہوگی۔اسی طرح معالج مریض کو اس کے خطرناک مرض کے بارے میں حکمت و دانائی سے سمجھائے گا۔تاکہ مریض زیادہ پریشانی میں مبتلا نہ ہو سکے۔

3. ایثار وہمدردی Sympathy / Empathy

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ (۱۸۹) آپ زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا"

رسول اللہ ﷺ پر رحمت وشفقت کا جذبہ اتنا غالب تھا کہ "رحمۃ للعالمین" آپ ﷺ کا لقب ہوا اور خود اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ یعنی مشفق ومہربان کے لقب سے نوازا۔

ایک معالج کا ایثار و ہمدردی کے جذبے کا حامل ہونا اس لئے لازمی ہے کہ مریض جب اس کے پاس آتا ہے تو وہ یہی امید کرتا ہے کہ معالج میرے ساتھ رحم کے جذبہ سے ایسا سلوک کرے گا جس کی وجہ سے اس کی صحت کی بحالی ممکن ہو جائے اگر معالج رحمت و ایثار کے جذبہ سے کام نہیں لے گا تو مریض پر اس کے منفی اثرات مرتب ہونگے۔

یہی اسلام کا مزاج بھی ہے کہ اسلام کے علمبردار ایثار و ہمدردی کے جیتے جاگتے نمونے بنیں۔ان میں ایثار ہمدردی کی عادت ایسی رائج ہو کہ یہ فطرت ثانیہ بن جائے۔ (۱۹۰)

4۔ ذمہ دارانہ زندگی Responsibility

ہر باشعور انسان کے لئے لازمی ہے کہ اس کو اپنی زندگی کی قدر و قیمت معلوم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عبث پیدا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ سورۃ المومنون میں فرماتا ہے۔ ''اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا (۱۹۱) ' ترجمہ: کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے ۔ بلکہ ایک مقصد کے تحت پیدا کر کے اسے کچھ ذمہ داریاں تفویض کیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ (۱۹۲)

خبردار! آپ میں سے ہر شخص چرواہا (نگران) ہے اور ہر ایک سے اس کے گلہ (ماتحتوں) کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اس حدیث میں ایک مومن کی مثال دی گئی ہے کہ جس طرح ایک چرواہا ہر لمحہ اپنے گلہ کی نگہبانی لازمی سمجھتا ہے اسی طرح ایک مومن کی زندگی ہے وہ اس دنیا میں ایک ذمہ دار انسان کی طرح رہتا ہے۔اسے ہر آن اپنے فرائض کی بجا آوری کا احساس ہوتا ہے۔

ایک مریض ایک معالج کے پاس یہ بھروسہ لے کر آتا ہے کہ معالج ایک ذمہ دار انسان کی طرح اس کا علاج کرے گا اور اگر معالج ایسا نہیں کرتا تو گویا کہ وہ غیر ذمہ داری کا ثبوت دیتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے۔جس کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی حیثیت میں ایک ذمہ دار شخص ہے۔اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔ مومن ہر آن اپنا نگران بنا رہتا ہے تاکہ جو چیزیں ان کے قبضہ میں دی گئی ہیں ان فرائض کے ادا کرنے میں اس سے کوتاہی نہ ہو۔مومن وہ ہے جس کے اندر احساس فرض اس طرح جاگ اٹھے کہ وہ اپنے اندرونی احساس کے تحت ہر کام کو درست طور پر انجام دینے کی کوشش کرے۔ بغیر اس کے کہ کوئی افسر اس کے کام کو دیکھنے کے لئے اس کے پاس کھڑا ہو۔اور اُس کی نگرانی کر رہا ہو۔ (۱۹۳)

5- صبر (Patience)

معالج کے لئے جس طرح دوسری صفات اہمیت رکھتی ہیں۔اسی طرح اس کا صبر کی صفت سے متصف ہونا بھی لازمی ہے۔''صبر'' کے لغوی معنی ''روکنے'' اور ''سہارے'' کے ہیں۔یعنی صبر اپنے نفس کو اضطراب اور گھبراہٹ سے روکنا، اور اس کو اپنی جگہ پر ثابت قدم رکھنا ہے۔(۱۹۴)

صبر بے اختیاری کی خاموشی اور انتقام نہ لینے کی مجبوری کا نام نہیں بلکہ یہ پامردی ،دل کی مضبوطی، اخلاقی جرأت، اور ثابت قدمی کا نام ہے۔

صبر کے کئی مفہوم ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر قسم کی تکلیف اٹھا کر اپنے مقصد پر جمے رہ کر کامیابی کے وقت کا انتظار کیا جائے۔سورہ ھود میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ o (۱۹۵) تو صبر کرو۔کہ انجام پرہیز گاروں ہی کا (بھلا) ہے۔

صبر کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ مصیبتوں اور مشکلوں میں اضطراب اور بے قراری نہ ہو بلکہ ان کو اللہ کا حکم اور مصلحت سمجھ کر خوشی سے برداشت کیا جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ جب وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس تکلیف کو دور فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی تعریف سورۃ الحج میں فرماتا ہے۔

وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ (۱۹۶) اور (جب) ان پر مصیبت پڑتی ہے۔تو صبر کرتے ہیں۔

صبر کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ برائی کرنے والوں کی برائی کو نظر انداز کیا جائے۔اور جو بدخواہی سے پیش آئے اور تکلیفیں دے، اس کے قصور کو معاف کیا جائے۔یہ صبر کی وہ قسم ہے جو اخلاقی حیثیت سے بہت بڑی بہادری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان سورۃ الرعد میں ہے۔

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ o (۱۹۷) اور جو پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے (مصائب پر) صبر کرتے ہیں۔اور نماز پڑھتے ہیں اور جو (مال) ہم نے ان کو دیا ہے۔ان میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں۔اور نیکی سے برائی کو دور کرتے ہیں۔یہی لوگ ہیں جن کے لئے عاقبت کا گھر ہے۔ایک اور جگہ سورۃ **حٰم السجدہ** میں ارشاد ہے۔

وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌo **وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ** o (۱۹۸) اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہوسکتی تو (سخت کلامی کا) ایسے طریق سے جواب دو جو بہت اچھا ہو۔(ایسا کرنے سے تم دیکھو گے) کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے۔

اگر غور کیا جائے تو ہر شخص کے لئے اس صفت سے متّصف ہونا قابل ستائش ہے لیکن ایک معالج کو بسا اوقات ایسے حالات سے گزرنا پڑتا ہے جہاں قدرتی طور پر عدم صبر اور غصّہ کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔اس لئے ان حالات میں ایک اچھے معالج کے سامنے

اللہ تعالیٰ کے یہ ارشادات پیش نظر رہنا چاہیے۔ اور اس پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔ بسااوقات مریض یا اس کے لواحقین اپنی ذہنی کیفیت کی وجہ سے ایسی باتیں یا حرکات کرتے ہیں جو نا مناسب ہوتی ہیں۔ ایسے حالات میں معالج کا صبر کرنا بڑے اجر کا باعث ہے۔

6. نرم گفتاری (Politeness)

ایک بہترین معالج کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے پیشہ ورانہ زندگی میں رفق وملاطفت سے کام لے۔ رفق وملاطفت کا مطلب یہ ہے کہ معاملات میں سختی اور سخت گیری کی بجائے نرمی اور سہولت اختیار کی جائے۔ جو بات کی جائے نرمی سے سمجھا ئی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے کئی آیتوں میں اپنے آپ کو ''لطیف'' فرمایا ہے اور حدیث میں رفق آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ ان کی خبر گیری اور رزق کا سامان پہنچانے میں رفق ولطف فرماتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا

إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ فِيْ شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ وَلَايُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ (۱۹۹) بیشک جس چیز میں نرمی ہو وہ اس کو زینت دیتی ہے اور جس چیز سے وہ اُٹھائی جائے وہ اُس کو بدنما بنا دیتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نرم خو ہے اور نرم خوئی کو پسند کرتا ہے اور نرم خوئی پر جو کچھ دیتا ہے اسکے علاوہ کسی اور چیز پر نہیں دیتا۔ (۲۰۰)

اسی طرح آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے کہ ''جو نرمی سے محروم رہا وہ بھلائی سے محروم رہا'' (۲۰۱)

اور یہ کہ ''تین خصلتیں جس میں ہوں گی اللہ تعالیٰ اپنا سایہ اس پر پھیلائے گا اور اس کو جنت میں داخل کرے گا یعنی کمزور کے ساتھ نرمی کرنا، ماں باپ پر مہربانی کرنا اور غلام سے حسن سلوک کرنا۔ (۲۰۲)

7. تواضع (Humbleness)

تواضع کا مقصد یہ ہے کہ انسان میں کبر وغرور پیدا نہ ہو اور ہر شخص دوسرے کی عزت کرے۔ ہر انسان پر اللہ تعالیٰ نے جو فضل کیا ہے اس کے بارے میں اسے غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے کہ یہ اس کی قابلیت کی وجہ سے ہے۔ درحقیقت یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ چاہے تو اس سے یہ نعمت واپس بھی لے سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک معالج بہترین صلاحیتوں کا حامل انسان ہوتا ہے لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے۔ اسے وہ اپنی قابلیت اور ذہانت پر اترانے کی بجائے اسے اللہ تعالیٰ کا شکرگزار اور متواضع ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ متکبر انسان کو پسند نہیں فرماتا۔ کیونکہ کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الجاشیہ میں فرماتا ہے۔

''**وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ص وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ o**''۔ (۲۰۳) اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لئے

بڑائی ہے۔اور وہ غالب اور دانا ہے۔

اللہ تعالیٰ مومنین کی صفت سورۃ الفرقان میں اس طرح فرماتا ہے:

''وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا o '' (۲۰۴) اور خدا کے بندے تو وہ ہے جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں۔ اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں۔

واضح رہے کہ خدا کے بندے تکبر کے ساتھ اکڑتے ہوئے نہیں چلتے، جباروں اور مفسدوں کی طرح اپنی رفتار سے اپنا زور جتانے کی کوشش نہیں کرتے، بلکہ ان کی چال ایک شریف اور سلیم الطبع اور نیک مزاج آدمی کی سی چال ہوتی ہے۔''نرم چال'' سے مراد ضعیفانہ اور مریضانہ چال نہیں ہے، اور نہ وہ چال ہے جو ایک ریاکار آدمی اپنی انکساری کی نمائش کرنے یا خداترسی کا مظاہرہ کرنے کیلئے تصنع اختیار کرتا ہے۔

نبی ﷺ خود اس طرح مضبوط قدم رکھتے ہوئے چلتے تھے کہ گویا نشیب کی طرف اتر رہے ہیں۔حضرت عمرؓ کے متعلق روایات میں آیا ہے کہ انھوں نے ایک جوان کو مریل چال چلتے دیکھا تو روک کر پوچھا کیا تم بیمار ہو؟ اس نے عرض کیا نہیں۔آپ نے درہ اٹھا کر اسے دھمکایا اور بولے قوت کے ساتھ چلو۔ (۲۰۵)

8۔ **رازداری** (Confidentiality)

ایک مریض جب معالج کے پاس آتا ہے تو وہ اس امید سے آتا ہے کہ معالج نہ صرف اس کا صحیح علاج کرے گا بلکہ اس کے راز کی حفاظت بھی کرے گا۔معالج کی شخصیت کیلئے باقی صفات کے ساتھ اس کا بھی شرعاً اور اخلاقاً رازدان ہونا لازمی ہے۔حضرت جابرؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ بِالْحَدِيْثِ ثُمَّ الْتَفَتَ فَهِيَ أَمَانَةٌ (۲۰۶)''جب کوئی آدمی تم سے بات کرے اور ادھر اُدھر مڑ کر دیکھے تو اس کی یہ بات تمھارے پاس امانت ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ اس نے زبان سے نہ کہا ہو کہ اسے راز رکھنا پھر بھی اس کی بات راز کی حیثیت رکھتی ہے،اس کی اجازت کے بغیر دوسروں کو بتانا صحیح نہیں ہے اس حدیث میں ادھر اُدھر کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص دوسروں سے اپنی بات پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے۔

امانت میں خیانت نہ کرنے کے حوالے سے قرآن مجید میں بہت تاکید آئی ہے۔اللہ تعالیٰ نیک عمل مومنوں کی صفت سورۃ المومنون میں یوں بیان فرماتا ہے۔

''وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ o '' (۲۰۷) اور جو امانتوں اور اقراروں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔

سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ امانت کا دائرہ صرف روپے، پیسے، جائداد اور مالی اشیاء تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ ہر مالی، قانونی اور اخلاقی امانت تک وسیع ہے۔ اگر کسی نے کوئی چیز کسی کے پاس رکھی ہے تو اس کے مانگنے پر اس کو جوں کا توں دینا امانت ہے، اگر کسی کا کوئی حق کسی پر باقی ہے تو اس کا ادا کرنا بھی امانت ہے، کسی کا بھید آپ کو معلوم ہے تو اس کو چھپانا بھی امانت ہے، کسی مجلس کی باتیں سن کر بھی اسی مجلس تک محدود رکھنا اور دوسروں تک پہنچا کر فتنہ اور ہنگامہ کا باعث نہ بننا بھی امانت ہے۔ اسی طرح کسی نے آپ سے اپنے نجی کام کے حوالے سے مشورہ مانگا تو اس کو سن کر اپنے تک ہی محدود رکھنا اور اس کو صحیح مشورہ دینا بھی امانت ہے۔ (۲۰۸)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

''اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ'' (۲۰۹) نشستیں امانت ہیں۔

9۔ عزتِ نفس (Self Respect)

انسان کی بہترین شخصیت سازی میں ایک اہم کردار اس کی عزتِ نفس یعنی خودداری کا بھی ہے۔ اس اخلاقی وصف سے انسان اپنی عزت، اپنے مرتبے اور اپنی حیثیت کی حفاظت کرتا ہے اور جس شخص میں یہ وصف نہ ہوگا اس میں بلند نظری بھی نہیں ہوگی ایسے شخص کی باتوں کا لحاظ نہیں کیا جاتا اور لوگ اس کی طرف کم توجہ دیتے ہیں اور نہ مجلس میں اس کو وقار حاصل ہوتا ہے۔

اس اخلاقی خودداری اور شریفانہ رکھ رکھاؤ کی حفاظت کی خاطر قدم قدم پر اپنی ہر ایک بات پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔ چال ڈھال، بول چال، لباس ہر چیز سے شرافت کا اظہار ہونا چاہئے۔ البتہ اس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہیئے کہ اس میں بڑائی اور دوسروں کی تحقیر کا جُزء شامل نہ ہو۔ یہی چیز ہے جس سے خودداری، غرور اور نمائش میں فرق وامتیاز کیا جا سکتا ہے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی غرور ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا، اس پر ایک شخص نے کہا کہ مجھے اچھا کپڑا اور اچھا جوتا بہت پسند ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''کہ اللہ تعالیٰ تو خود ہی جمال کو پسند کرتا ہے غرور یہ ہے کہ حق کا انکار کیا جائے اور لوگوں کی تحقیر کی جائے۔ (۲۱۰)

اس حوالے سے شیخ ابوحفص سہروردیؒ کا کہنا ہے

''خودداری غرور سے الگ چیز ہے کیونکہ خودداری اپنی ذات کی حیثیت کو جاننے اور اس کی عزت کرنے کا نام ہے اور غرور اپنی ذات کی اصلی حیثیت کو فراموش کر جانے اور اس کو اس کی جگہ سے اوپر لیجانے کو کہتے ہیں''

خودداری کا سب سے بڑا مظہر وقار یعنی سنجیدگی اور متانت ہے۔ اسی لئے اسلام نے ہر حالت میں وقار کے قائم رکھنے کی ہدایت کی ہے۔ وقار ایک ایسا جامع لفظ ہے کہ اس میں بہت سی چیزیں آتی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ

نیک طور طریقے، نیک انداز اور میانہ روی نبوت کے پچیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔(۲۱۱)

10۔ عفوودرگزر (Forgiveness)

معالج کی صفات میں سے ایک اہم صفت عفوودرگزر کا ہونا ہے۔ باقی لوگوں کی بہ نسبت یہ صفت ایک معالج میں بطریق احسن ہونی چاہیئے۔ کیونکہ ہم ایک ایسے معاشرے میں رہتے ہیں جہاں اکثر مریض ان حدود اور قیود سے ناواقف ہوتے ہیں جو ایک فلاحی معاشرے میں ہونی چاہیئے یہی وجہ ہے کہ وہ بعض اوقات ایسی حرکات کر جاتے ہیں جس کی وجہ سے قدرتی طور پر غصہ آ جاتا ہے۔لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ عفوودرگزر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی صفت ہے۔ اور یہ صفت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں بھی دیکھنا چاہتا ہے،قرآن کریم کی سورۃ النور میں ارشاد ہے۔

''وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ط اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَاللّٰهُ لَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' ο (۲۱۲) ان کو چاہیئے کہ معاف کردے اور درگزر کردے کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ خدا تم کو بخش دے اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے۔

سورۃ الشوریٰ میں مومن کی صفت اس طرح بیان کی گئی ہے۔

''وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْن'' ο (۲۱۳) اور جب غصہ آتا ہے تو معاف کردیتے ہیں۔

سورۃالعمران میں فرمایا

''وَسَارِعُوْٓااِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَاالسَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ο الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ'' ο (۲۱۴) اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو۔جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے۔ اور جو خدا سے ڈرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ اور غصے کو روکتے ہیں اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں۔ اور خدا نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔

11۔ رحم دلی (Kindness)

انسان کے بنیادی اخلاق میں سے ایک رحم دلی ہے اور ایک معالج کے لئے اُس کی اہمیت کسی ذی شعور انسان سے پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ طب کا تمام شعبہ ہی رحم دلی کے بنیادی ستون پر قائم ہے۔ اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں اس کی بہت اہمیت ہے۔اللہ تعالیٰ کے خاص نام ''اللہ'' کے بعد سب سے زیادہ اور اہم ''رحمان'' ہے اور اسی کے ساتھ دوسرا نام ''رحیم'' ہے۔ مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ کوئی اچھا کام شروع کرنے سے پہلے رحمان اور رحیم کا نام یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرے۔

قرآن مجید کی سورۃ التوبہ میں رسول اللہ ﷺ کی صفت یوں بیان کی گئی ہے۔

''حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ'' o (۲۱۵) (محمد ﷺ) تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں۔اور مؤمنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔

اسلام نے جس رحم دلی کی تعلیم دی ہے وہ مسلمانوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ نہایت وسیع ہے اور اس میں تمام بنی نوع انسان شامل ہیں۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے متعدد احادیث میں عام رحم کی تعلیم دی ہے اور فرمایا ہے کہ جو شخص انسانوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحم نہیں کرے گا۔اس عام رحم دلی کی تعلیم آپ ﷺ نے یوں دی ہے۔جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ (۲۱۶)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر خدا بھی رحم نہیں کرے گا اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جو دوسروں پر رحم نہیں کھاتا تو دوسرے بھی اس پر رحم نہیں کھائیں گے۔یہی وہ چیز ہے جس سے یتیموں کی غم خواری ،بیکسوں کی تسکین، بیماروں کی تسلّی ،غریبوں کی مدد،مظلوموں کی حمایت، زیرِ دست کی اعانت کی جاتی ہے۔ (۲۱۷)

12: احسان یعنی بھلائی کرنا (Beneficence)

بھلائی کرنا ایک ایسی صفت ہے جو ہر نیکی کے کام کو محیط ہے اس لئے اس کی صورتیں بھی بہت زیادہ ہیں البتہ ان سب کی ایک عام شکل یہ نکلتی ہے کہ دوسرے کے ساتھ نیک سلوک کرنا جس سے اس کا دل خوش ہو اور اس کو آرام پہنچے اور یہی ایک بہترین معالج کی صفت ہوسکتی ہے کہ وہ معاشرے کے تمام افراد کے لئے بالعموم اور مریض کے لئے بالخصوص آرام کا سبب بن جائے۔قرآن مجید میں اس کی بہت تاکید آئی ہے۔سورۃ النحل میں فرمان ہے۔کہ ''اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی'' (۲۱۸) خُدا تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے۔

احسان کی اہم صورت یہ ہے کہ کسی کو مصیبت سے نجات دلائی جائے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو قید سے نجات دلائی تھی وہ اُس کو بڑا احسان سمجھتے ہیں۔

'' وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ '' (۲۱۹) اور اس نے مجھ پر (بہت سے) احسان کیے ہیں کہ مجھ کو جیل خانے سے نکالا۔سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے۔کہ ''وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ'' (۲۲۰) اور احسان کرو بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

13۔ خوداعتمادی (Self Confidence)

خوداعتمادی ایک ایسی قوت ہے جو اپنے ہی جیسے دوسرے بندوں کی محتاجی سے بچاتی ہے اور خداداد صلاحیتوں

سے آزادانہ کام لینے اور اس کا پورا صلہ پانے کے لائق بناتی ہے۔ جب کسی شخص کو اپنی کارکردگی پر بھروسہ نہ ہو تو وہ کوئی کام نہیں کرسکتا نہ محنت کار محنت کرسکتا ہے اور نہ معالج مریض کی صحیح طور پر خدمت کرسکتا ہے۔

انسان اگر اپنے مقام بندگی وعبدیت کا شعور حاصل کرے تو اس کی یہی خود شناسی اسے خود اعتمادی بھی عطا کرتی ہے اور یہی چیز قرب الٰہی کا ذریعہ بنتی ہے ۔ایک مشہور قول ہے کہ جس نے اپنے آپ کو پہچانا تو اس نے اپنے رب کو پہچانا۔خود اعتمادی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان کو ہر باطل قوت کے سامنے ڈٹ جانا آسان ہوتا ہے۔البتہ دو امور ایسے ہیں کہ جو خود اعتمادی کو ٹھیس پہنچاتے ہیں ایک خوف اور دوسرا غم ،لیکن اگر انسان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہو۔سورہ زمر میں فرمایا ''لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ '' (۲۲۱) خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو تو پھر وہ اپنے ایمانی موقف پر ثابت قدم ہوتا ہے اور پھر کسی قسم کا خوف وغم اس پر غالب نہیں ہوسکتا۔اللہ تعالیٰ سورۃ حٰم السجدہ میں فرماتا ہے۔

'' اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوا رَبُّنَا اللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا '' (۲۲۲) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار خدا ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے ان پر فرشتے اتریں گے۔(اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو۔

درحقیقت مومن کو اپنی خداداد صلاحیتوں کا ٹھیک ٹھیک اندازہ اسی وقت ہوتا ہے اور ان صلاحیتوں کی سچی قدر اس وقت کرتا ہے جب نامساعد حالات میں بھی اللہ پر توکل کرتے ہوئے اپنے محدود وسائل کو بروئے کار لاتا ہے۔اور حسن خلق کی تمام صفات کو اپنے آپ میں جمع کرتا ہے۔ (۲۲۳)

14۔ عہدو پیمان (Promise)

عہد ایک فطری معاہدہ ہے اور تمام عہدوں میں سب سے پہلے انسان پر اس عہد کو پورا کرنا واجب ہے جو اللہ تعالیٰ اور اسکے بندوں کے درمیان ہوا تھا کہ کیا میں آپ کا رب نہیں ہوں! تو انہوں نے کہا کہ ہاں تو ہمارا رب ہے۔دوسرا عہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اور اقرار کی صورت میں کیا گیا ہے ۔تیسرا عہد وہ ہے جو عام طور سے قول واقرار کی شکل میں بندوں میں آپس میں ہوا کرتا ہے اور چوتھا عہد وہ ہے جو اہل حقوق کے درمیان فطرتاً قائم ہے اور جن کے ادا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرعد میں حکم دیا ہے۔

''الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَاللهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ '' (۲۲۴) جو خدا کے عہد کو پورا کرتے ہیں۔اور اقرار کو نہیں توڑتے اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے۔ان کو جوڑے رکھے۔سورۃ النحل میں ارشاد ہے

"وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدۡتُّمۡ وَلَا تَنۡقُضُوا الۡاَيۡمَانَ بَعۡدَ تَوۡكِيۡدِهَا وَقَدۡ جَعَلۡتُمُ اللّٰهَ عَلَيۡكُمۡ كَفِيۡلًا "(۲۲۵)اور جب خدا سے عہد واثق کروتو اس کو پورا کرواور جب پکی قسمیں کھاؤ تو ان کومت توڑو کہ تم خدا کو اپنا ضامن مقرر کر چکے ہو۔ اس حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی مشہور حدیث ہے کہ

وَلَادِيۡنَ لِمَنۡ لَّاعَهۡدَلَهٗ (۲۲۶) جس میں عہد نہیں اس میں دین نہیں۔

یعنی اس قول واقرار کو جو بندہ اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے یا کسی انسان سے کرتا ہے اُس کے پورے کرنے کا نام دین ہے اور جو شخص اس عہد کو پورا نہیں کرتا وہ دین کی روح سے محروم ہے۔ (۲۲۷)

15۔ مساوات (Equality)

بنیادی طور پر انسان نیک فطرت ہے اور جب بھی اور جہاں جہاں انسان بدی اور خون خرابے کا مرتکب ہوا ہے اپنے فطرتی رجحان کے سبب نہیں بلکہ گمراہی کے سبب ایسا ہوا ہے اور جب بھی اسکو یاد دلایا گیا تو وہ راہ راست پر آجاتا ہے۔قرآن مجید جب تمام انسانوں کو یاَیُّھَاالنَّاس اور یا بنی آدم سے خطاب کرتا ہے۔تو دراصل وہ انسان کو اسی فطرت کی طرف توجہ دلاتا ہے۔قرآن مجید کا یہ بھی بہت بڑا اعجاز ہے کہ جو لوگ صدیوں سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے وہ ایسے بھائی بھائی بن گئے کہ دنیا نے اخوت ومساوات کا سبق ان سے سیکھا۔اسلام نے تفریق ختم کرنے کے لئے جو اصول پیش کیا ہے وہ یہ ہے: اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ " (۲۲۸) خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

یعنی تم میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیاہ خدا ترس ہو،تو وہاں یہ بھی تعلیم ہے کہ باہمی تعلقات میں ایک دوسرے کے ساتھ نرمی اور بردباری سے پیش آؤ۔البتہ قبائل میں تقسیم دراصل شناخت میں آسانی کے لئے ہے۔ سورۃ الحجرات میں ارشاد ہے

" يٰۤاَيُّهَاالنَّاسُ اِنَّاخَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ وَّاُنۡثٰى وَجَعَلۡنٰكُمۡ شُعُوۡبًاوَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ " (۲۲۹)

لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔اور خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو مخاطب کرکے تین نہایت اہم اصولی حقیقتیں بیان فرمائی ہیں۔ایک یہ کہ تم سب کی اصل ایک ہے ، ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے تمھاری پوری نوع وجود میں آئی ہے۔دوسری یہ کہ اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہونے کے باوجود تمھارا قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہو جانا پہچان کے لئے ایک فطری امر تھا مگر اس فطری فرق واختلاف کا تقاضا یہ ہرگز نہ تھا کہ قوموں اور قبائل کی بنیاد پر اونچ نیچ، برتر

اورکم تر کے امتیازات قائم کیے جائیں۔تیسری یہ کہ انسان اور انسان کے درمیان فضیلت و برتری کی بنیاد اگر کوئی ہے اور ہوسکتی ہے تو وہ صرف اخلاقی فضیلت ہے۔(۲۳۰) حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔
لوگو! خبردار رہو،تم سب کا خدا ایک ہے ۔کسی عرب کو عجمی اور کسی عجمی کو عربی پر اور کسی گورے کو کالے اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے مگر تقوی کے اعتبار سے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ بتاؤ، میں نے تمھیں بات پہنچادی ہے ! لوگوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ﷺ ۔فرمایا اچھا تو جو موجود ہیں وہ ان لوگوں تک یہ بات پہنچادیں جو موجود نہیں ۔ (۲۳۱)

اور یہ منشور صرف زبانی کلامی نہیں تھا بلکہ دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اس کو عملی طور پر نافذ کیا گیا۔یہی جذبہ انسان کو تمام دوسرے انسانوں کے ساتھ اچھے سلوک کرنے پر ابھارتا ہے۔ایک معالج کے لئے یہ بات اور بھی زیادہ اہم ہو جاتی ہے کہ ان کی پیشہ ورانہ زندگی میں اکثر ایسے مواقع آتے ہیں کہ جب مریض کی نسبتاً کم مالی وسماجی حیثیت معالج سے تقاضا کرتی ہے کہ اس کے ساتھ دوسرے زیادہ صاحب ثروت اور صاحب جاہ لوگوں کی طرح سلوک کیا جائے۔اسی طرح معالج کی زندگی میں ہر وقت ایسے مواقع آتے ہیں جس میں غریب، امیر، مرد وعورت، جوان اور بوڑھے عرض ہر قسم کے مریض ہوتے ہیں۔ان سب کے ساتھ برابری کی سطح پر سلوک کرنا لازمی ہے۔مریض سے ترجیحی سلوک کی بنیاد مرض کی نوعیت ہے نہ کہ کوئی اور سبب۔

ساتواں باب

معالجین کا باہمی تعلق

معالج کا معالج سے تعلق کی نوعیت (Relationship of a Doctor with a Doctor)

ایک معالج کی دوسرے معالج سے تعلق کی نوعیت ایک ہمہ جہت موضوع ہے۔ ایک انسان کے دوسرے انسان پر انسانی برادری کی حیثیت سے بھی کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں جن سے عہدہ برآ ہونا ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے۔

ا۔ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا

Cooperate with each other in good deeds

ہر انسان کی فلاح بلکہ خود اُس کی زندگی اور بقاء جس بات پر موقوف ہے وہ معاملہ باہمی تعاون اور تناصر ہے۔ ہر ذی ہوش انسان جانتا ہے کہ اس دنیا کا پورا نظام انسانوں کے باہمی تعاون وتناصر پر قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

''وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَاب ''

(۲۳۲) اور (دیکھ) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔ اور خدا سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا کا عذاب سخت ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ نیکی کے کام میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ وجہ یہ ہے کہ اگر ایک انسان دوسرے انسان کی مدد نہ کرے تو کوئی اکیلا انسان خواہ وہ کتنا ہی عقل مند، زورآور یا مالدار ہو، اپنی ضروریات کو تنہا پورا نہیں کرسکتا۔ (۲۳۳) بطور معالج یہی درس ہمیں قرآن مجید سے بھی ملتا ہے۔

مرض کی صحیح تشخیص اور علاج کے دوران کئی دوسرے خصوصی معالج کی ضرورت بھی پڑسکتی ہیں۔ ایسے موقع پر خود متعلقہ معالج سے مشورہ کرنا اور پھر اس کو صحیح مشورہ دینا ضروری ہوجاتا ہے۔ اور یہی اس کی (Team Work) کی بنیاد ہے۔ جس کی موجودہ دور میں اکثر اوقات ضرورت پڑتی ہے۔ جیسے مرض کی تشخیص کے لئے مختلف نوعیت کے لیبارٹری ٹیسٹ کروانے پڑتے ہیں جس میں مستند ڈاکٹر کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح آپریشن کے دوران ایک سرجن کے ساتھ مستند ڈاکٹرز / اسسٹنٹ اور پیرا میڈیکل سٹاف وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہیں۔ جس میں مریض کو بے ہوش یا مرہم پٹی وغیرہ شامل ہے۔ اگر کوئی معالج تمام امور کو کسی بھی دنیاوی نفع کی خاطر اپنے سر لیتا ہے اور دوسروں کے ساتھ تعاون نہیں کرتا ہے تو وہ ظالم ٹھہرے گا۔

۲۔ حسد (Jealousy)

حسد ویسے بھی ناپسندیدہ اخلاق میں سے ہے لیکن معالج کیلئے یہ اور بھی زیادہ بڑا جرم بن جاتا ہے کہ ایک معالج دوسرے معالج کے ساتھ پیشہ ورانہ زندگی میں حاسدانہ زندگی گزارے البتہ رشک ایک ایسا امر ہے کہ وہ مطلوب بھی ہے اور باعث ثواب بھی ہے۔رشک کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص پر اللہ تعالیٰ نے اپنا کوئی احسان کیا ہے مثلاً علم وفضل ،مال و دولت،عزت وشہرت یا کوئی اور دینی یا دنیوی نعمت عطا فرمائے تو ان چیزوں کو دیکھ کر اگر کسی دوسرے شخص کے دل میں ان کے حاصل کرنے کی خواہش ہوتو اسی کا نام رشک ہے اور یہی امر پسندیدہ امور میں سے ہے۔لیکن اگر وہ ان چیزوں کو دوسرے کیلئے پسند نہ کرے اور اسکی یہ خواہش ہو کہ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتیں اس سے چھین لی جائیں،تو اس کا نام حسد ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے مطابق حسد کی تین قسمیں اور تین درجات ہیں۔

۱۔ یہ کہ ایک شخص کی صرف یہ خواہش ہو کہ دوسرے سے ایک نعمت سلب کر لی جائے ،اگر چہ وہ اسکو حاصل نہ ہو سکے یا وہ اسکو خود حاصل نہ کرنا چاہے، یہ حسد کی مذموم ترین قسم ہے۔

۲۔ اُس کی خواہش یہ ہو کہ وہ نعمت حاصل ہو جائے ،اس صورت میں اسکا مقصود تو صرف اس نعمت کا حاصل کرنا ہوتا ہے لیکن چونکہ بعض اوقات جب تک وہ نعمت دوسرے سے چھین نہ لیجائے اس کو مل نہیں سکتی۔

۳۔ ایک شخص خود اسی قسم کی نعمت حاصل کرنا چاہے لیکن اسکی یہ خواہش نہ ہو کہ وہ دوسرے سے سلب کر لی جائے۔

ان میں پہلی صورت مذموم ترین ہے دوسری صورت میں زوال نعمت بِالذّات مقصود نہیں ہوتا اس لئے حقیقی معنوں میں حسد تو نہیں ہے لیکن جو نعمت کسی کو حاصل ہو بعینہ اس کی خواہش کرنا پسندیدہ نہیں ہے اس لئے مذموم بھی ہے البتہ اس کی مثل دوسری نعمت کی خواہش کرنا مذموم نہیں البتہ تیسری صورت مذموم نہیں بلکہ دینی امور میں مُسْتَحْسَن ہے۔

حسد کے اسباب سات ہیں۔

۱۔ بغض وعداوت

۲۔ ذاتی فخر کا غلط خیال

۳۔ ایک شخص کا دوسرے شخص کو اپنا مطیع بنانے کی خواہش

۴۔ بعض اوقات جب ایک عام شخص شرف حاصل کرتا ہے۔اس پر حسد کیا جاتا ہے۔

۵۔ بعض اوقات جب دونوں شخصوں کا مقصد ایک ہوتا ہے۔تو دونوں باہم ایک دوسرے کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۶۔ جاہ پرستی اور ریاست طلبی۔

۷۔ خبث باطن (یعنی انسان کے اندر کا کمینہ پن)

حسد کے یہ اسباب زیادہ تر ان لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں جن میں کوئی چیز مشترک ہوتی ہے۔لیکن اسلام نے مسلمانوں میں باہمی اخوت کا رشتہ قائم کر کے نہایت وسیع اور عالمگیر اشتراک پیدا کر دیا تھا، اس لئے ان میں حسد کا جذبہ نہایت آسانی کے ساتھ پیدا ہوسکتا تھا اور حسد کے جس قدر اسباب ومراتب ہیں وہ سب کے سب اس وسیع برادری میں جمع ہو سکتے تھے۔اس لئے اصولا جو بداخلاقیاں اس اخوت کا شیرازہ بکھیر سکتی تھیں رسول اللہ ﷺ نے ان سب سے مسلمانوں کو بچنے کی ہدایت دی اور فرمایا۔

اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَکْذَبُ الْحَدِیْثِ، وَلَاتَحَسَّسُوْا، وَلَاتَجَسَّسُوْا، وَلَاتَنَاجَشُوْا، وَلَاتَحَاسَدُوْا ، وَلَاتَبَاغَضُوْا، وَلَاتَدَابَرُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَاللّٰہِ إِخْوَانًا (۲۳۴)

بدگمانی سے بچو۔کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔اور کسی کے عیوب کی جستجو نہ کرو اور نہ اُس کی ٹوہ میں لگے رہو۔بیع (لین دین) میں ایک دوسرے کو دھوکہ نہ دو۔اور نہ حسد کرو، اور نہ بُغض رکھو اور نہ کسی کی غیبت کرو۔اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔

بداخلاقیوں میں سب سے خطرناک چیز حسد ہے اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر حسد سے بچنے کی ہدایت کی۔اور فرمایا۔

اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ یَأْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَاتَأْکُلُ النَّارُ الْحَطَبُ (۲۳۵)

تم حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جسطرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اور ہر مسلمان کو سورۃ الفلق میں اس خطرہ سے پناہ مانگنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

وَمِنْ شَرِّحَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ o (۲۳۶) اور حسد کرنے والے کی برائی سے جب حسد کرنے لگے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاقی حیثیت سے حسد نہایت خطرناک چیز ہے اور ایک مسلمان کیلئے اس سے بچنا لازمی ہے۔(۲۳۷)

3۔ غیبت (Backbiting)

معالج کی پیشہ ورانہ زندگی میں بہت سے ایسے مواقع آتے ہیں کہ اس سے اپنے غائب ساتھی کے بارے میں پوچھا جاتا ہے یہ وہ صورت حال ہے کہ اگر اس میں احتیاط کا دامن نہ تھاما جائے اور غائب ساتھی کے بارے میں مثبت رائے نہ دی جائے بلکہ الٹا اسکی برائی بیان کرنا شروع کرے۔تو اسی کا نام غیبت ہے۔غیبت کی آسان ترین تشریح

حسب ذیل حدیث میں یوں ہے:

أَتَدْرُوْنَ مَاالْغِيْبَةُ، قَالُوااَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، قَالَ ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَايَكْرَهُ .قِيْلَ أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِيْ أَخِيْ مَآأَقُوْلُ قَالَ إِنْ كَانَ فِيهِ مَاتَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ (۲۳۸)

حضرت ابو ہریرۃ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمھیں معلوم ہے کہ غیبت کیا چیز ہے؟ تو صحابہ کرامؓ نے کہا کہ اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمھارا اپنے بھائی کی اس چیز کا ذکر کرنا جس کو وہ ناپسند کرلے۔کہا گیا کہ اگر میرے بھائی میں وہ عیب موجود ہو جس کو بیان کرتا ہوں ،تو فرمایا اگر عیب اس میں موجود ہے تو تم نے اسکی غیبت کی اور اگر نہیں ہے تو تم نے اس پر بہتان لگایا۔

غیبت ایک ایسا گناہ ہے کہ قرآن وسنت میں اسکی بہت زیادہ مذمت بیان ہوئی ہے۔اور اسکی وجہ یہ ہے کہ شریعت کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی عزت وآبرو محفوظ رہے اور ان کے باہمی تعلقات خوشگوار رہیں۔سورۃ الحجرات میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ **يٰاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لايَسْخَرْقَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْراً مِّنْهُمْ وَلانِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلاتَلْمِزُوْآ اَنْفُسَكُمْ وَلاتَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ o يٰاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْراًمِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلاتَجَسَّسُوْا وَلايَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًافَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْم o (۲۳۹)**

مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے۔ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں۔اور نہ عورتیں عورتوں سے (تمسخر کریں) ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں۔اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ۔اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔ایمان لانے کے بعد برا نام (رکھنا) گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں۔اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو۔اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کریگا۔کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے۔(تو غیبت نہ کرو) اور خدا کا ڈر رکھو۔بیشک خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

ان تمام اخلاقی احکام سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے قول وعمل سے دوسروں کے عیوب کو ظاہر نہیں کرنا چاہئیے۔ان طریقوں میں سب سے زیادہ مذموم طریقہ غیبت ہے۔غیبت کی سزا کے حوالے سے ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شب معراج میں میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جس کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے میں نے جبرائیل امین سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو آپؑ نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کی غیبت کرتے تھے اور ان کی عزت وآبرو لوٹ لیتے تھے۔(۲۴۰)

واضح رہے کہ غیبت صرف زبان تک محدود نہیں ہے بلکہ ہاتھ پاؤں اور آنکھ کے ذریعے بھی غیبت کی جاسکتی ہے، مثلاً ایک شخص لنگڑا ہے تو اس کے عیب کو نمایاں کرنے کیلئے لنگڑا کر چلنا بھی غیبت ہے اسی طرح آنکھوں کے اشارے سے کسی کے عیب کو افشاں کرنا بھی غیبت ہے۔ (۲۴۱)

4۔ بغض وکینہ (Malice)

پیشہ ورانہ زندگی میں بعض اوقات ایک دوسرے کیلئے جو منفی جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں ایک بغض اور کینہ بھی ہے۔ دل میں کسی کی دشمنی اور عداوت کا جذبہ رکھنا بغض اور کینہ کہلاتا ہے۔ لہذا بغض وکینہ سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔ اس بری عادت سے پاک رہنے کی دعا مانگنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی تعریف سورۃ الحشر میں فرماتا ہے جو بغض اور کینہ سے بچنے کی دُعا مانگتے ہیں۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ''(۲۴۲) اے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما۔ اور مؤمنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (حسد) نہ پیدا ہونے دے۔ اے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

اسی طرح سورۃ الحجر میں فرمایا: وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ o (۲۴۳) اور ان کے دلوں میں جو کدورت ہوگی اس کو ہم نکال (کر صاف کر) دیں گے۔ (گویا) بھائی بھائی تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ ان آیتوں کے اشارہ سے معلوم ہوا کہ جب بھی مسلمان بھائیوں میں کینہ رہے گا جنت کا تخت ہاتھ نہ آئیگا۔ رسول اللہ ﷺ نے جو تعلیم دی ہے اس کا منشاء یہ ہے کہ ہم کو دنیا میں بھی جنت کی سی زندگی بسر کرنی چاہیئے کہ آپس میں حسد، کینہ اور بغض نہ ہو اور یہ کہ کسی بھائی کے لئے حلال نہیں ہے کہ اپنے بھائی سے تین دن تک بات کرنا چھوڑ دے۔ (۲۴۴)

ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے کہ اپنے بھائی سے تین دن تک بات چیت کرنا چھوڑ دے، دونوں ملیں تو ایک دوسرے سے منہ پھیریں اور دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔ (۲۴۵)

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کی مغفرت نہیں ہوگی۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو اپنے بھائی سے کینہ رکھتا ہے۔ (۲۴۶)

5۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر (To Bid the Good and Forbid the Bad)

طب جیسے مقدس پیشہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اہم ذمہ داری سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی ۔کیونکہ یہ امت محمد ﷺ کے اہم خصائص میں سے ہے۔سورۃ العمران میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ''كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ '' (۲۴۷)(مؤمنوں) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں ۔تم ان سب سے بہتر ہو۔کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہواور برے کاموں سے منع کرتے ہو۔اور یہ کہ '' وَتَوَاصَوْ بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْبِالصَّبْرِ '' (۲۴۸) ترجمہ: اورآپس میں حق (بات) کی تلقین اورصبر کی تاکید کرتے رہے۔

ایک معالج کا یہ دینی اور اخلاقی فریضہ بنتا ہے کہ وہ ہم پیشہ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے ایک دوسرے کو خیر کی تلقین اور برائی سے ممانعت کی ذمہ داری کو نبھائے۔

6۔ آدابِ مجلس (Etiquettes of Gathering/sitting)

ویسے تو آداب مجلس کا خیال رکھنا تمام انسانوں کیلئے لازمی ہے لیکن معالج کے لئے بطور خاص اسکی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ اس لحاظ کو رکھنے سے مجلس میں تہذیب اور وقار پیدا ہوتا ہے اور یہ شرکاء مجلس کی باہمی محبت کا سبب بنتا ہے۔آداب مجلس کا سب سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ بندہ جب کسی مجلس میں داخل ہوتو سب سے پہلے سلام کرے۔ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِہٖ لَاتَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَاتُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَآبُّوْا اَ فَلَآ اَدُلُّكُمْ عَلٰی اَمْرٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوْا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ (۲۴۹)اس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے ،تم جنّت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوسکتے جب تک تم ایمان نہ لاؤ اور تمھارا ایمان اس وقت تک (مکمل) نہیں جب تک تم ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔اور کیا آپ کو یہ بات نہ بتاؤں کہ جب تم اس پرعمل کروتو تم آپس میں محبت کرنے لگو گے۔وہ یہ ہے کہ تم سلام آپس میں پھیلاؤ۔

علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے کچھ دوسرے آداب مجلس بھی بتائے ہیں مثلاً عام مجلس میں انسان کو جہاں بے تکلف پہلے جگہ مل جائے، بیٹھ جانا چاہیئے دوسرے لوگوں کوخواہ مخواہ تکلیف نہیں دینی چاہیئے ،راستہ میں بیٹھنے سے احتراز کرنا چاہیئے ہمارے ہسپتالوں میں عام طور پر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ جابے جا بیٹھے ہوتے ہیں جو بیماروں کے لئے تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔اس حوالے سے معالج اپنا کردار ادا کرکے ہسپتال کے ماحول کو اچھا رکھ سکتا ہے۔ چونکہ انسان پر سب سے زیادہ صحبت کا اثر پڑتا ہے اسلئے اپنے ہم نشینوں کے انتخاب میں اسکا ضرور لحاظ رکھنا چاہیئے کہ وہ ایسے لوگ ہوں جن کی صحبت سے اسکو فائدہ پہنچے اور ساتھ ساتھ اس بات کا لحاظ بھی رکھنا ہوگا کہ مجلس کی راز کی باتوں کو بیان نہ کیا جائے ۔کیونکہ حدیث کی رو سے مجلس کی باتیں بھی امانت ہوتی ہیں۔ (۲۵۰)

آٹھواں باب

معالج اور مریض کا تعلق

(Relationship of a Doctor with a Patient)

معالج ڈاکٹر پیرامیڈیکل مرد اور عورت نرس سنت نبوی ﷺ کے مطابق اپنے عقل وفہم کو استعمال کر کے خادم کی حیثیت سے مریض کا علاج کرتا ہے۔ اور نگاہ اللہ تعالیٰ کے ذات پر ہوتی ہے۔ کیونکہ شفاء اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ مریض ایک مجبور انسان ہوتا ہے۔ اور ہمارا دین ہمیں ہر مجبور انسان کی مدد کی تلقین کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ بھی ایسے شخص کو صلہ دیئے بغیر نہیں چھوڑتا جو کہ ایک مجبور انسان کی خدمت میں لگا ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ

أَلْمُسْلِمُ أَخُوالْمُسْلِمِ لَايَظْلِمُهُ، وَلَايُسْلِمُهُ ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (۲۵۱)

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی کسی ظلم کے حوالہ کرتا ہے۔ جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کریگا۔ جس کسی نے مسلمان کی تکلیف دور کی اللہ اس کے بدلے میں قیامت کے دن اس کی تکلیف دور کریگا۔ اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کریگا۔ ایک مریض جب معالج کے پاس جاتا ہے تو وہ بجا طور پر معالج سے حسب ذیل امور کی توقع رکھتا ہے۔

۱۔ خوش کلامی:

خوش کلامی کا مقصد یہ ہے کہ باہم ایک انسان دوسرے انسان سے باتیں کرنے میں ایک دوسرے کے ادب واحترام اور لطف ومحبت کا پہلو ملحوظ رکھے۔ ایک میٹھا بول مریض کیلئے تریاق کا کام دے سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے۔

" **وَقُوْلُوْالِلنَّاسِ حُسْنًا** " (۲۵۲) اور لوگوں سے اچھی باتیں کہنا۔

اسی طرح اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا کہ مریض کو برے الفاظ، نفرت اور تحقیر سے مخاطب نہ کیا جائے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''مسلمان نہ طعنہ دیتا ہے، نہ لعنت بھیجتا ہے، نہ بدزبانی اور فحش کلامی کرتا ہے۔'' (۲۵۳)

اسی طرح آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے کہ ''جو اللہ اور روز جزاء پر یقین رکھتا ہے اسکو چاہیئے کہ وہ اچھی بات بولے

ورنہ چپ رہے۔ (۲۵۴)

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے جنت کا ذکر فرمایا اور اسکی خوبی اور وسعت کا ذکر کیا ایک بدوی صحابی مجلس میں حاضر تھے، بولے کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ جنت کس کو ملے گی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے خوش کلامی کی، بھوکوں کو کھلایا، اکثر روزہ رکھا اور اس وقت نماز پڑھی جب لوگ سو رہے ہوں۔ (۲۵۵)

اسی طرح ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''اچھی بات صدقہ ہے''۔ (۲۵۶)

یعنی جسطرح صدقہ دے کر کسی غریب کی حاجت روائی اور دلجوئی کی جاتی ہے، اسی طرح زبان کی مٹھاس سے اس کے زخموں پر مرہم رکھا جاسکتا ہے۔

۲۔ عیب پوشی/رازداری(Privacy):

انبیاء کرام کے سوا چاہے انسان کتنی بڑی ہستی کیوں نہ ہو، لغزشوں اور کمزوریوں سے خالی نہیں ہے اسلئے انسانیت کا معیار یہی ہے کہ جب کسی کی کمزوری یا لغزش سامنے آجائے تو وہ اسکے بیان کرنے سے پہلے خود یہ سوچے کہ کیا میں کمزوریوں اور لغزشوں سے پاک اور بالاتر ہوں؟ اور اگر ایسا ہو بھی پھر بھی اسکا فرض ہے کہ وہ دوسروں کی کمزوریوں کو ظاہر کر کے اپنے ایک بھائی کو ذلیل و رسوا نہ کرے۔ (۲۵۷)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس شخص نے کسی کے عیب کی پردہ پوشی کی اس نے گویا زندہ درگور انسان کو زندہ کردیا۔ (۲۵۸)

۳۔ رحم وشفقت(Mercy and compensation):

مکارم اخلاق کے نمایاں پہلوؤں میں سے ایک پہلو رحمت وشفقت بھی ہے۔ ایک معالج میں اگر رحم وشفقت کا جذبہ نہ ہو۔ اور وہ شقیُّ القلب ہو تو اس کی سنگدلی کے اثرات صرف مریض تک محدود نہیں رہتے بلکہ اسکے برے اثرات سے تمام ماحول خراب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو قرآن پاک میں رَحۡمَۃً لِّلۡعَالَمِیۡنَ کے خوبصورت لقب سے یاد فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں بھی ہمیں بہت سی احادیث اس حوالے سے ملتی ہیں۔ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **مَنْ لَایَرْحَمْ لَایُرْحَمْ (۲۵۹)** جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر خود رحم نہیں کیا جائیگا۔

اور یہ بھی فرمایا: **اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُھُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْٓا اَھْلَ الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ (۲۶۰)**

جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں رحمٰن ان پر رحم کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کریگا۔

۴۔ مریض کو تسلی دینا(Reassuring patients):

مریض کی صحت کی بحالی میں جتنا کردار صحیح تشخیص اور دواء کا ہے۔ اتنا ہی کردار اس کو اور اُس کے لواحقین کو تسلی اور رہنمائی دینے کا بھی ہے۔ ایک مریض پر معالج کی باتوں کا خاص اثر پڑتا ہے۔ اس حوالے سے ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہونا چاہیئے۔

إِذَادَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيْضِ، فَنَفِّسُوْا لَهُ فِي الْأَجَلِ، فَإِنَّ ذٰلِكَ لَايَرُدُّ شَيْئًا، وَهُوَ يُطَيِّبُ نَفْسَ الْمَرِيْضِ (۲۶۱)

جب آپ کسی مریض کے پاس جائیں تو اس سے اس کی درازی عمر کے بارے میں گفتگو کریں۔ کیونکہ اس سے کوئی حرج تو نہیں ہوتا۔ البتہ اس سے مریض کا دل خوش ہوتا ہے۔

۵۔ مریض کی عیادت(Visiting patient):

مریض کی عیادت کرنا بہت بڑا ثواب کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ موقع معالج حضرات کو بیٹھے بیٹھے دے دیتا ہے کہ مریض خود ان کے پاس آتا ہے اگر مریض ہسپتال میں داخل ہے تو معالج راؤنڈ (Round) کی صورت میں اسکے پاس جاتا ہے۔ اگر ایک معالج عیادت کی نیت سے مریض سے پوچھے یا راؤنڈ کے وقت وہ عیادت کی نیت کرے تو "ہم خرماوہم ثواب" والی بات ہوگی۔ کہ معالج اپنی ذمہ داری اور فرائض کے نبھانے کے ساتھ ساتھ ثواب کا مستحق بھی ہوگا۔ مریض کی عیادت ایک قسم کی ملاقات بھی ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں لوگوں سے ملاقات کرنے کے آداب بھی بتائے ہیں۔ حسبِ ذیل آیت کا تعلق اگر چہ نبی کریم ﷺ کی ذات مبارک سے ہے تاہم اس آیت میں دی گئی تعلیمات آج بھی ہمارے لئے باعثِ نجات ہیں۔

جب ڈاکٹر ایک مریض کے پاس جاتا ہے تو مریض کی راز داری اور پوشیدگی (Privacy) کا لحاظ کرتے ہوئے اس آیت کی تعلیمات کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ مثلاً بغیر اجازت کے داخل ہونا وغیرہ۔ لہذا اس آیت کی روشنی میں ڈاکٹر کو مریض کے پاس جانے کی واضح ہدایات موجود ہیں۔ سورۃ الاحزاب میں فرمایا:

مومنو۔ پیغمبروں کے گھروں میں نہ جایا کرو۔ مگر اس صورت میں کہ تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے اور اس کے پکنے کا انتظار بھی نہ کرنا پڑے۔ لیکن جب تمہاری دعوت کی جائے۔ تو جاؤ اور جب کھانا کھا چکو۔ تو چل دو۔ اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھ رہو۔ یہ بات پیغمبر کو ایذا دیتی ہے۔ اور وہ تم سے شرم کرتے ہیں۔ (اور کہتے نہیں ہیں) لیکن خدا سچی بات کے کہنے سے شرم محسوس نہیں کرتا۔ اور جب پیغمبر کی بیویوں سے کچھ سامان مانگو۔ تو پردے کے باہر سے مانگو۔ یہ تمھارے اور ان کے دونوں دلوں کے لئے بہت پاکیزگی کی بات ہے۔ اور تم کو یہ شایان نہیں۔ کہ پیغمبر خدا کو تکلیف دو۔ اور نہ یہ کہ انکی بیویوں سے کبھی ان کے بعد نکاح کرو۔ بے شک یہ خدا کے نزدیک بڑا (گناہ کا کام) ہے۔ (۲۶۲)

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عیادت کا طریقہ بھی بتایا ہے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ:حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمْ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاِتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ (۲۶۳)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مسلمان کے ذمہ دوسرے مسلمان کے پانچ حقوق ہیں۔سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازہ کے ساتھ چلنا، دعوت کا قبول کرنا اور جب چھینکے تو یرحمک اللہ کہنا۔ایک اور حدیث میں ہے۔

عَنْ ثَوْبَانَؓ عَنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَاعَادَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِيْ خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ (۲۶۴) حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مسلمان جب اپنے بھائی کی عیادت کے لئے جاتا ہے تو اس وقت تک وہ جنت کے پھل چنتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ عیادت کرنے سے واپس آجائے۔''حدیث میں لفظ خرفۃ کا معنی پھل چننے کے ہے''اسی طرح جب کوئی مریض کی عیادت کے لئے جائے تو اسے مریض کیلئے دعا مانگنی چاہیئے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔کہ

''اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَعُوْدُ بَعْضَ أَهْلِهٖ يَمْسَحُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى وَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ أَذْهِبِ الْبَأْسَ اِشْفِ أَنْتَ الشَّافِيْ لَاشِفَآءَ إِلَّا شِفَآؤُكَ شِفَآءً لَّايُغَادِرُسَقَمًا (۲۶۵) نبی کریمؐ جب اپنے اہل وعیال میں سے کسی کی عیادت کرتے،تو اپنا دایاں ہاتھ اس پر پھیرا کرتے اور فرماتے۔اے لوگوں کے رب۔ بیماری کو دور فرما اور شفاء عطا فرما۔آپ کی دی ہوئی شفاء کے سوا اور کوئی شفاء نہیں ہے۔ایسی شفاء عطا فرما۔کہ ذرا بھی بیماری نہ رہے۔

ایک مرتبہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیمار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ آپ کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور یہ دعا فرمائی۔

أَللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا أَللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا أَللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا ثَلَاثَ مِرَارٍ (۲۶۶) اے اللہ سعد کو شفا عطا فرما، اے اللہ سعد کو شفا عطا فرما،اے اللہ سعد کو شفا عطا فرما،تین مرتبہ(فرمایا)

حضرت عبداللہ بن عثمان بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ آپ کو جسم میں درد کی تکلیف محسوس ہوئی۔تو وہ رسول ﷺ کے پاس آئے۔رسول اللہ ﷺ نے آپ کو فرمایا کہ ہاتھ درد والی جگہ پر رکھ دو اور تین مرتبہ بسم اللہ پڑھو اور سات دفعہ یہ دعا پڑھو۔

أَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ وَسُلْطَانِهٖ مِنْ شَرِّمَاأَجِدُ وَأُحَاذِرُ (۲۶۷) میں اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی قدرت کاملہ کی پناہ چاہتا ہوں اس تکلیف کے شر سے جو مجھے لاحق ہے اور اس سے بھی جسکا مجھے خطرہ ہے۔حضرت جابر بن

عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

إِذَادَخَلَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَرِيْضٍ فَلْيُصَافِحْهُ، وَلْيَضَعْ يَدَهُ عَلَى جَبْهَتِهٖ، وَلْيَسْأَلْهُ كَيْفَ هُوَ، وَلْيُنْسِئْ لَهُ فِي الْأَجَلِ، وَيَسْأَلُهُ أَنْ يَدْعُوَلَهُمْ، فَإِنَّ دُعَاءَ الْمَرِيْضِ كَدُعَآءِ الْمَلَآئِكَةِ (۲۶۸) جب آپ میں سے کوئی شخص مریض کے پاس جاتا ہے تو پہلے اس کے ساتھ مصافحہ کرے اور اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھے اور اسکا حال احوال پوچھے کہ وہ کیسا ہے اور اس کی درازی عمر کے بارے میں بات کرے اور مریض سے درخواست کرے کہ وہ اسکے لئے دعا کرے، کیونکہ مریض کی دعا فرشتوں کی دعا جیسی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''جب آپ ایسے مریض کے پاس جائیں جسکا ابھی آخری وقت نہیں پہنچا ہے تو اسکے قریب ہوکر سات مرتبہ یہ کہیں''۔**أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ أَنْ يَّشْفِيَكَ (۲۶۹)** میں سوال کرتا ہوں عظیم اللہ سے جو کہ عرش عظیم کا بھی رب ہے کہ آپ کو شفاء عطا فرمائے۔

اور عبداللہ بن عباسؓ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دیہاتی شخص کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے اور آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب آپ مریض کی عیادت کیلئے تشریف لے جاتے تو فرماتے۔ **''لَابَأْسَ، لَابَأْسَ اَلطَّهُوْرُ اِنْ شَاءَ الله ''** **(۲۷۰)** کوئی بات نہیں، کوئی بات نہیں ان شاء اللہ آپ کو جسمانی اور روحانی پاکیزگی حاصل ہوگی۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے۔ کہ جبرائیلؑ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ بیمار ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں۔ تو جبرائیلؑ امین نے فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ ، مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُّؤْذِيْكَ ، وَمِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْعَيْنٍ، أَوْحَاسِدٍ، اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ، بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ (۲۷۱)

میں اللہ تعالیٰ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں ہر ایسی چیز سے جو آپ کو تکلیف دے۔ جاندار کے شر سے یا حاسد کی نظر بد سے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شفا بخشے گا۔ میں اللہ تعالیٰ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں۔

اگر ایک مریض کا آخری وقت آپہنچا ہو تو مریض اور اُس کے لواحقین کو سمجھا کر کلمہ شہادت کی قولی / عملی تلقین کرنی چاہیئے۔ جس طرح کہ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا:

لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ (۲۷۲) اپنے مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو۔ اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا کہ موت کے وقت کلمہ پڑھنے والا جنت میں داخل ہوگا۔ **مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ**

(۲۷۳)جسکا آخری کلمہ لا الہ اللہ ہوگا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

۶۔ **مریض کی اخلاقی تربیت اوردعا(Moral training and prayer of patient) :**

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بیماری اللہ تعالیٰ کیطرف سے عذاب ہے۔حالانکہ بیماری ایک مسلمان کے لئے ایک امتحان کی مانند ہے۔اور گناہوں کی بخشش کا ایک ذریعہ بھی ہے۔

" وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ o الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ o اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ o " (۲۷۴)اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کرینگے۔تو صبر کرنے والوں کو (خدا کی خوشنودی کی)بشارت سنا دو۔ ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے۔تو کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ۔یہی لوگ ہے جن پر ان کے پرودگار کی مہربانی اور رحمت ہے اور یہی سیدھے رستے پر ہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ''حضرت ام العلاؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے اور فرمایا۔ام العلا !تمھیں خوشخبری ہو۔مسلمان کی بیماری اس کے گناہوں کو یوں دور کردیتی ہے جیسے آگ سونے چاندی کا کھوٹ دور کردیتی ہے۔'' (۲۷۵)

حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔کہ مومن کو اگر کسی کانٹے کے چبھنے کی بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے ذریعے سے بھی اس کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں اور اس کی خطائیں دور کردی جاتی ہیں۔'' (۲۷۶)

جب کوئی مریض معالج کے پاس آتا ہے تو معالج کیلئے ایک سنہری موقع ہوتا ہے اس کو مریض کے عقیدہ کی درستگی کیلئے استعمال کرکے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا اہم فریضہ سرانجام دے۔اس لئے معالج کو ابتداہی سے یہ بات مریض اور اسکے لواحقین کے ذہن نشین کرادینی چاہیئے کہ اگر چہ ہم مرض کا بہترین علاج کرنے کی کوشش کریں گے لیکن شفاء دینا اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے اسلئے ساری امیدیں اللہ تعالیٰ سے ہی وابستہ رکھیں۔اورانہیں اللہ سے مدد مانگنے کی تلقین کرنی چاہیئے اور دعا کا ایک بہترین طریقہ صلوۃ حاجت بھی ہے۔

ہمارے معاشرے میں مریض اور اسکے لواحقین بعض اوقات ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے شفا کے لئے ایسے ذرائع استعمال کرتے ہیں جسمیں شرک کی آلائش ہوتی ہیں مثلاً دھاگا وغیرہ باندھنا تو مریض کو ایسے امور سے منع کرکے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسکا رابطہ مضبوط کرانا چاہیئے۔

اسی طرح مریض کوعبادت اوردعاؤں کی طرف راغب کرنا چاہیئے کیونکہ دعا کوعبادت کا نچوڑ کہا گیا ہے اور جو دعا دِل سے نکلتی ہے اللہ تعالیٰ اسکو قبول فرماتا ہے۔ایک مسلمان ڈاکٹر کو مریضوں کا مناسب علاج کرنے کے ساتھ ساتھ ان کیلئے شفا کی دعا بھی کرنی چاہیئے ۔ یہ بھی مریض کے حق میں ایک صدقہ ہے اور اس سے ڈاکٹر بھی اجر کا مستحق ہوگا اور دعا کی قبولیت سے مریض کو بھی فائدہ حاصل ہوگا۔اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔کہ

وَاِذَاسَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَادَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْالِیْ وَلْیُؤْمِنُوْابِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْن (۲۷۷)''جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے پوچھیں تو آپ کہہ دیں کہ میں ان کے قریب ہی ہوں۔ ہر مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں۔پس وہ مجھ سے ہی مانگیں اور مجھ ہی پر ایمان لائیں تا کہ وہ راہ ہدایت پالیں۔ایک حدیث میں یہ مضمون یوں بیان کیا گیا ہے۔

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک کوئی چیز اور کوئی عمل دعا سے زیادہ عزیز نہیں ہے۔'' (۲۷۸) البتہ دعا کے آداب میں یہ باتیں شامل ہیں کہ

- کہ جب اللہ سے مانگو اور دعا کرو تو اس یقین کے ساتھ کرو کہ وہ ضرور قبول کرے گا اور عطا فرمائے گا۔اور جان لو کہ اللہ اس شخص کی دعا قبول نہیں کرتا جس کا دل (دعا کے وقت) اللہ سے غافل اور بے پروا ہو
- دعا مانگنے والا اور جس کیلئے مانگی جارہی ہے دونوں رزق حلال کا اہتمام کریں۔
- فضالہ بن عبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو دعا کرنے سے پہلے چاہیئے کہ اللہ کی حمد وثنا کرے۔پھر رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے اس کے بعد جو چاہے اللہ سے مانگے۔(۲۷۹)

دعا مانگنے اور دعا پڑھنے میں بہت فرق ہے۔دعا مانگنے میں عجز وانکساری، توجہ، یقین اور حضور قلب کی کیفیت ہونی چاہئے اس لئے ہمیں اس فرق کو سمجھ کر دعا پڑھنی چاہئے۔

۷۔حرام دواؤں اور اشیاء سے پرہیز (Avoiding prohibited drugs and items) :

حرام سے پرہیز ہر ایک مسلمان کا فرض ہے یہ چاہے دوسرے کا مال حرام طریقہ سے کھایا جائے یا مرض کا علاج حرام دواؤں سے کیا جائے۔

حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا

اِنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَآءَ وَجَعَلَ لِکُلِّ دَآءٍ دَوَآءً فَتَدَاوَوْاوَلَاتَدَاوَوْا بِحَرَامٍ (۲۸۰) بے شک اللہ تعالیٰ نے دعا اور دوا دونوں اتاری ہیں اور ہر مرض کی دوا نازل کی ہے پس تم علاج معالجہ کرو لیکن حرام سے نہ کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں''یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں تمھاری شفا نہیں رکھی ہے جو تم پر

حرام کردی گئی ہے۔ (۲۸۱)

حضرت طارق بن سویدؓ نے رسول اللہ ﷺ سے شراب کے استعمال کے بارے میں دریافت کیا تو رسول اللہ ؐ نے فرمایا۔

إِنَّ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلَكِنَّهُ دَآءٌ (۲۸۲) شراب دوا نہیں بلکہ یہ تو خود ایک بیماری ہے۔

رسول اللہؐ نے نہ صرف شراب کے استعمال سے منع فرمایا بلکہ یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ

مَنْ تَدَاوَى بِالْخَمْرِ فَلَا شَفَاهُ اللّٰهُ (۲۸۳) جو شراب سے علاج کرے اللہ تعالیٰ اس کو شفا نہ دے۔

۸۔مریض کی اجازت (Consent of Patient)

اسلام زندگی کے ہر شعبے میں انسان کی privacy کا خیال رکھتا ہے اور اسی لیئے باہم مشورے اور اجازت کو نہ صرف بہت اہمیت دیتا ہے بلکہ اس کا تقاضا بھی کرتا ہے۔ یہی اصول علاج معالجے کے سلسلے میں بھی ہے۔ اگر ایک طرف علاج کی اہمیت پہ زور ہے تو دوسری طرف مریض کی رضا کے بغیر علاج نہ کرنے کی اہمیت بھی بیان کی گئی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی درجہ ذیل احادیث سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات میں ان کے منہ میں دوا ڈالی تو انہوں نے اشارے سے ہمیں منع کیا ہم نے سوچا کہ ہر مریض دوا سے نفرت کرتا ہے تو آپ بھی اسی وجہ سے ہمیں دوا ڈالنے سے منع کرتے ہیں، مگر جب وہ بیدار ہوئے تو فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں دوا ڈالنے سے منع نہیں کیا ہم نے کہا اے اللہ کے رسول ہم یہ سمجھے کہ آپ بھی دوسرے مریضوں کی طرح دوا کھانے سے کراہت محسوس کرتے ہیں اس لئے ہمیں منع کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ گھر میں موجود تمام افراد کو سوائے عباس کے یہ دوا پلائی جائے (کیوں کہ عباس دوا پلاتے وقت موجود نہیں تھے اس لئے اسے استثناء دی) (۲۸۴) اسی طرح ایک اور حدیث کو عقبہ بن عامر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا:

لَاتُكْرِهُوْا مَرْضَاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ، فَإِنَّ اللّٰهَ يُطْعِمُهُمْ وَيَسْقِيْهِمْ (۲۸۵) کہ اپنے بیماروں پر کھانے کے لئے زبردستی مت کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کھلاتا اور پلاتا ہے۔

ان احادیث سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ علاج کے لیئے مریض کی اجازت طلب کرنا ضروری ہے۔

باہم مشورے سے معاملات طے کرنا اسلام کا ایک بنیادی اصول ہے اور اسکا باقاعدہ حکم بھی دیا گیا ہے اور یہ اصول علاج کے سلسلے میں ڈاکٹر اور مریض دونوں کے لیئے ہدایات فراہم کرتا ہے۔ ڈاکٹر کو چاہیے کہ وہ مریض کو اس کی بیماری اور اس کے علاج کے اختیار کے بارے میں مکمل معلومات فراہم کرے اور علاج نہ کرنے کے نتائج سے بھی مریض کو آگاہ کر دے اور پھر علاج کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ مریض کی صوابدید پہ چھوڑ دے۔ اسی کو باخبر رضامندی (informed consent) کہا جاتا ہے۔ البتہ چند صورتیں ایسے بیان کی گئی ہیں جو اس اصول سے مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً:

۱۔ نابالغ بچے، فائز العقل افراد اور بے ہوش افراد جن کو علاج کی ضرورت ہو۔ چونکہ ان افراد میں یہ صلاحیت موجود نہیں ہوتی کہ وہ اپنے بارے میں فیصلہ کر سکیں اس لیئے ان صورتوں میں مریض کے قریبی رشتہ داروں سے اجازت لینی چاہیے۔ البتہ

رشتہ دار ایسی کوئی اجازت نہیں دے سکتا جو مریض کے نقصان کا باعث بنے۔

۲۔ ایسی ہنگامی صورتِ حال جس میں مریض کی جان کو خطرہ ہو، تو فوری علاج شروع کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ خصوصی حالات میں مسلمان حکومت علاج اور روک تھام و احتیاطی تدابیر کیلئے لازمی اقدامات کر سکتی ہے۔ مثلاً متعدی اور ایسی بیماری جس سے عوام الناس کو خطرہ ہو۔ جیسے پولیو، ایڈز، چیچک، خسرہ اور خناق وغیرہ۔

نواں باب

معالج کی ذمہ داریاں

(Responsibilities of a Doctor)

ایک طالب علم جب اپنے لئے طب بطور پیشہ اپنانے کا فیصلہ کرتا ہے تو باقاعدہ کسی میڈیکل کالج میں داخلہ لیتا ہے یہ اُس کی زندگی کا وہ اہم حصہ ہوتا ہے جس میں وہ بطور طالب علم کے زندگی گزارتا ہے۔ جو کہ درحقیقت حصول علم کا راستہ ہے اسکے بعد وہ میڈیکل کالج سے فارغ ہوتا ہے تو اسکی پیشہ ورانہ زندگی شروع ہوجاتی ہے بہرحال چاہے اس کی طالب علمانہ زندگی ہو یا پیشہ ورانہ زندگی ،اس پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بیش بہا نعمتوں سے نوازا ہے۔ اس پوری کائنات میں اسکو جو مقام عطا کیا ہے وہ کسی اور مخلوق کو عطاء نہیں کیا اور علم ودانش کی اتنی طاقت دی ہے کہ اسکے بل بوتے پر وہ بلا جھجک پوری کائنات پر حکمرانی کررہا ہے۔ اس نعمت عظمیٰ کے بارے میں اللہ تعالیٰ انسان کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔

" اِقْرَاْوَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ o الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ o عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ o" (۲۸۶) پڑھو اور تمھارا رب بے حد کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔

یہی وہ علم ہے جس کی بناء پر انسان کو فرشتوں جیسی برگزیدہ مخلوق پر فضیلت دی گئی اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ اسکے سامنے سجدہ کریں۔ اور اسی کی بدولت انسان کو زمین پر خلیفہ کا تاج پہنایا گیا۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ انسان کی فضیلت اور شرافت کی بنیاد علم کی بے بہا دولت پر ہے۔ لہٰذا معاشرہ کے اندر جو اس دولت کا حامل ہوگا وہ اتنا ہی قابل قدر اور واجب الاحترام ہوگا۔ (۲۸۷)

لیکن اُس کے ساتھ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ جو طلبہ عموماً اور ہمارے طبی کالجوں سے فارغ التحصیل طلبہ خصوصاً کسی حد تک ان مقاصد کی تکمیل میں کوشاں ہیں جن کے لئے ایسے اداروں کا قیام عمل میں لایا گیا ہے اور معاشرہ کے ذہین افراد اس میں حصول علم کے حقدار ٹھہرے۔ ان میں کتنے ایسے افراد ہیں جو ملک وملت کی صحیح معنوں میں خدمت کررہے ہیں، جن کا مقصد اپنے دین کی سربلندی ، ملک کی ترقی ،قوم کی خوشحالی اور صحت عامہ کے سوا کچھ نہیں اور جو ہمیشہ دینی اور قومی مفاد کو اپنے ذاتی مفاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ کیا ایسا تو نہیں کہ اس وقت ان اداروں سے جو طلبہ فارغ التحصیل ہوجاتے ہیں ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ملازمت مل جائے اور پھر خوب کمائیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ تعلیم صرف تدریس کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایسا عمل ہے جس کے ذریعے ایک قوم خود آگاہی حاصل کرتی ہے۔ اور یہ عمل اس قوم کو تشکیل دینے والے افراد کے احساس اور شعور کے نکھارنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

اس لئے یہ ضروری ہے کہ تعلیم کا اولین مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ طلبہ میں دین و دنیا اور نظریہ حیات کی آگاہی پیدا ہو۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس مرحلہ میں طالب علم کو زندگی کا مفہوم اور مقصد دنیا میں انسان کی حیثیت ،توحید، رسالت، آخرت اور انفرادی و اجتماعی زندگی پر ان کے اثرات، اخلاقیات کے اسلامی اصول، اسلامی ثقافت کی نوعیت اور ایک مسلمان کے فرائض اور اس کا مقصد انہیں سمجھایا جائے۔(۲۸۸)

حصول تعلیم میں سب سے زیادہ اہمیت طالب علم کے کردار کی تشکیل کو حاصل ہونی چاہیئے ۔تعلیم جب تک اچھے کردار کی تعمیر نہ کرے گی اپنا حقیقی مقصد حاصل نہ کر سکے گی۔قران پاک میں ایمان اور عمل صالح کی یہ بیک وقت تلقین کی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے بنیادی اہداف میں انسان کی زندگی اور روح کی تطہیر شامل ہے اور اسے اولیت حاصل ہے۔

اخلاق وکردار:(Character and behaviour)

طالب علم کی زندگی اخلاق وکردار کے لحاظ سے مثالی ہونی چاہیئے ۔موجودہ تعلیمی اداروں میں اخلاقی تربیت کا انتظام نہ ہونے کیوجہ سے طلبہ میں اخلاق وکردار کے لحاظ سے بہت کمی پائی جاتی ہے۔ ہمارے مدارس اور جامعات میں جوطلبہ زیر تعلیم ہوتے ہیں ان میں ایسے طلبہ کی تعداد بہت کم ہوتی ہے جن کے اخلاق وکردار کو دیکھ کر کوئی متاثر ہو سکے۔ ایک جامعہ کا پہلا فرض اور حقیقی کامیابی یہ ہے کہ وہ سیرت سازی کا کام کرے وہ ایسے طالب علم پیدا کرے جو اپنے ضمیر کا سودا نہ کریں۔جن کو دنیا کی کوئی طاقت، تخریبی فلسفہ، کوئی دعوت تحریک کسی دام خرید نہ سکے۔دوسرا فرض یہ ہے کہ ہماری جامعات سے ایسے نوجوان نکلیں جو اپنی زندگیاں حق وصداقت اور علم وہدایت کیلئے قربان کرنے کیلئے تیار ہوں۔جن کو کسی کیلئے بھوکا رہنے میں وہ لذت آئے جو کسی کو پیٹ بھر کر کھانے میں آتی ہے۔جن کو کھونے میں مسرت حاصل ہوتی ہے جو بعض اوقات کسی کو پانے میں نہیں ہوتی ہے۔ جو اپنی نوجوانی کی بہترین توانائیاں ،ذہن کی بہترین صلاحیتیں اور جامعہ کا بہترین عطیہ جس سے ان کی جھولی بھر دی گئی ہے۔انسانیت کو تباہی سے بچانے کیلئے صرف کریں۔

جامعات کی موجودہ صورتحال میں ضرورت اس بات کی ہے کہ طلبہ اپنے اخلاق وکردار اور رویہ پر نظر ثانی کریں اور تعلیمی اداروں کا ماحول ایسا خوشگوار اور پرسکون بنائیں کہ وہاں ہر داخل ہونے والا طالبعلم خوبصورت اور مفید سانچہ میں خود بخود ڈھل جائے۔ ہر شاگرد کا یہ فرض بنتا ہے کہ اپنے تعلیمی ادارہ کے اندر اور باہر اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرے۔طلبہ معاشرہ کے اندر بہت بڑی قوت ہوتی ہے۔اگر یہ اپنا رخ صحیح کریں ،اپنے اخلاق وکردار پر توجہ دیں تو عملی تبلیغ کے ذریعہ معاشرہ کی اصلاح میں بہت بڑا کردار ادا کر سکتے ہیں اور انہیں یہ کردار ادا کرنا بھی چاہیئے ۔(۲۸۹)

طبی کالج (Medical College) میں حصول تعلیم کے بعد معالج کی عملی زندگی کا آغاز ہوتا ہے پیشہ

وارانہ زندگی کی ابتداء کیلئے بنیادی شرط یہی ہے کہ اس نے طالبعلمانہ زندگی میں پیشہ کے اسرار ورموز کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ کیونکہ طب کے شعبہ کا تعلق بالواسطہ دوسرے شخص کی زندگی اور صحت سے ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ مَنْ تَطَبَّبَ، وَلَمْ يُعْلَمْ مِنْهُ طِبٌّ قَبْلَ ذٰلِکَ ، فَهُوَ ضَامِنٌ (۲۹۰)

جس نے علاج کیا اور اس سے پہلے وہ طب نہیں جانتا تھا تو (نقصان کی صورت) میں وہ ضامن ہوگا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

أَيُّمَا طَبِيْبٍ تَطَبَّبَ عَلٰى قَوْمٍ لَّا يُعْرَفُ لَهُ تَطَبُّبٌ قَبْلَ ذٰلِکَ فَأَعْنَتَ فَهُوَ ضَامِنٌ (۲۹۱)

ترجمہ: ایسا شخص جس نے کسی قوم کا علاج کیا اور اس سے پہلے علم طب کو نہیں جانتا تھا اور اس نے نقصان پہنچایا تو وہ اس کا ذمہ وار ہوگا۔

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ معالج کیلئے ضروری ہے کہ وہ بیماری کی نوعیت اور اس کا علم حاصل کرنے کی مسلسل کوشش کرے۔ اور ان احادیث کی روشنی میں یہ بات بھی واضح ہے کہ اگر ایک مسلمان بغیر علم طب کے مریضوں کا علاج کرے تو وہ بیک وقت دو جرائم کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اول یہ کہ بغیر علم کے علاج کرنے کا جرم چاہے علاج سے مریض کو نقصان ہو یا نہ ہو۔ دوئم اگر اس کے علاج سے مریض کو کوئی نقصان پہنچے تو یہ دوسرا جرم ہوگا۔ جبکہ یہ دونوں جرائم اسلامی قانون کے مطابق قابلِ تعزیر ہیں۔

جن امراض کو آج تک لا علاج سمجھا جاتا ہے وہ درحقیقت لا علاج نہیں کیونکہ متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ہر بیماری کا علاج اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے۔ حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ دَآءً إِلَّآ أَنْزَلَ لَهُ شِفَآءً (۲۹۲) اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نازل نہیں کی مگر اس کے ساتھ اس کا علاج بھی نازل فرمایا۔

اس لئے معالج کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلسل تحقیق وتجربے کے عمل سے ان بیماریوں کا علاج تلاش وتجویز کر کے بنی نوع انسان کی خدمت کی ذمہ داری پوری کرے۔

معالج حضرات اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے روبرو ذمہ داری اور جوابدہی کے کٹہرے میں کھڑے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم کی ایک ایسی دولت سے نوازا ہے جو بیمار اور زخم خوردہ انسان کے لئے پیغام شفاء اور موجب سکون وراحت ہے۔ اس علم کی بدولت جہاں اسکے رتبے میں اضافہ ہوا ہے وہاں اسکی ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔

اگر کوئی معالج اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں غفلت یا فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے تو اسکا

مواخذہ بھی اسی قدر سخت اور گرفت زیادہ ہوگی۔ اور جو شخص اپنے فرائض میں دیانت داری، اخلاص، ہمدردی اور محنت ولگن کا مظاہرہ کریگا اسکا اجر بھی اسی قدر زیادہ ہوگا۔ یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ شاید اللہ تعالیٰ حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی سے درگزر فرمادیں۔لیکن حقوق العباد میں کوتاہی نا قابل معافی اور قابل گرفت ہوگی۔ اس لئے ایک خداترس معالج کا فرض ہے کہ وہ اپنے فرائض کو عبادت سمجھ کر پورے اخلاص ولگن سے ادا کرے۔ جو معالج واقعی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اسکو ہر وقت یہ فکر لاحق ہوگی کہ میرا کوئی مریض قیامت کے دن میری غیر ذمہ داری، کوتاہی یا لا پرواہی کی وجہ سے مجھے جہنم کی وادی میں نہ دھکیل دے۔

قرآن وسنت میں جو بنیادی اخلاقی تعلیمات بیان ہوئی ہیں ان کی روشنی میں اگر معالج کی ذمہ داریوں کا جائزہ لیا جائے اور ان پر منصفانہ نظر ڈالی جائے تو اس سے واضح ہوگا کہ موجودہ صورتحال اتنی تسلی بخش نہیں ہے اور اسمیں اصلاح کی بہت گنجائش موجود ہے۔ڈاکٹر محمد اقبال خان نے اس حوالے سے اس محترم پیشہ کو بدنامی سے بچانے کیلئے چند مفید تجاویز دی ہیں (۲۹۳)۔ ان پر عمل کرنے سے بہت حد تک ان خرابیوں اور مفاسد کا سدباب ہوسکتا ہے۔ان میں سے چند اہم خرابیوں کی طرف جو نشاندہی کی گئی ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

ہسپتال میں ملازمت(Employment in Hospital)

تمام معالج حضرات کا فرض بنتا ہے کہ ہسپتال کے اندر ہی مریض کی تشخیص کرے اور جتنی سستی دوا، اور ٹیسٹ وغیرہ ضروری ہوں، کروانے چاہیئے تاکہ مریض پر زیادہ بوجھ نہ پڑے۔

عوام کی بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر سرکاری ہسپتال ناکافی ہوتے جارہے ہیں۔اس لئے بعض لوگ نجی ہسپتال بناتے ہیں جو کہ ایک مستحسن عمل ہے کیونکہ اس سے بے روزگاری میں کمی لانے کے ساتھ ساتھ علاج معالجے کی سہولیات بھی آسانی سے دستیاب ہوتی ہیں۔اس میں اگر ایک طرف مریضوں کا مناسب رقم پر علاج کرکے معاشرے کو بیماریوں سے پاک بنایا جاسکتا ہے تو دوسری طرف اس کے ذریعے عام مریضوں کو باآسانی فائدہ بھی پہنچتا ہے۔تاہم مریضوں کی تشخیص وعلاج میں لاپرواہی کرنا اور مریضوں کو پرائیوٹ کلینک میں بلاضرورت بلاناطبی اخلاقیات کی منافی ہے۔قواعد وضوابط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نجی اہسپتالوں کو ہیلتھ ریگولیٹری اتھارٹیز اور پاکستان میڈیکل کمیشن کے شرائط اور معیار پر پورا اترواتے کے لئے فرضی نام لکھوانا اور پھران سے تنخواہیں وصول کرنا شریعت کی رو سے ناجائز ہے۔اس لئے اس امر کا خاص اہتمام ہونا چاہیئے کہ معالج ہسپتال کو پورا وقت دیں اور ہسپتال میں اسے جو ذمہ داریاں سپرد ہیں۔انہیں بطریق احسن اپنے علم، تجربے اور مہارت کے ساتھ انجام دیں۔ ہسپتال کے فرائض منصبی کی ادائیگی کے بعد معالج اپنے اوقات کو حلال روزی کمانے کے لئے کہیں بھی مثلاً پریکٹس وغیرہ میں لگا سکتا ہے۔اس سے کمائی بھی حلال ہوگی اور اس کے لئے ذریعہ نجات بھی ہوگا۔

وقت کی پابندی (Punctuality)

وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے۔اور یہ ہر انسان کو یکساں میسر ہے اس میں کسی امیر اور غریب کا امتیاز نہیں۔اللہ پاک نے قرآن مجید میں مختلف جگہوں پر وقت کی قسم بھی کھائی ہے جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ لہٰذا جس کو کوئی عہدہ، منصب یا ملازمت مل جائے تو اس پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ وقت کی پابندی کا خیال رکھیں کیونکہ ملازمت کے دوران جو تنخواہ ملتی ہے وہ ادارے کی طرف سے ایک معاہدہ کی شکل ہوتی ہے۔اگر اس میں کوئی کمی کی جائے تو تنخواہ حرام ہونے کا اندیشہ ہے۔لہٰذا ہر ملازم کو وقت کی پابندی اور اپنی ذمہ داری کا خیال رکھنا چاہئے۔اور اپنی ڈیوٹی میں غیر ذمہ دارانہ رویہ برتنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

اگرچہ ایسا رویہ اپنانا کسی بھی شعبہ کے لئے سم قاتل ہے۔لیکن شعبہ طب کے لئے یہ اور بھی خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ معالج حضرات کا سرکاری ہسپتالوں میں رویہ ان کے پرائیویٹ کلینک سے مختلف نہیں ہونا چاہئے۔ہسپتال میں وقت کی پابندی کا خیال رکھنا چاہیئے۔وارڈ میں داخل مریض ان کی بے توجہی اور بے رحمی کا شکار نہیں ہونا چاہیئے۔وارڈ میں راؤنڈ کا باقاعدگی سے اہتمام ہونا چاہیئے پیچیدہ بیماریوں کے علاج کے لئے کم تجربہ کار معالج کو بغیر کسی نگران کے نہیں بھیجنا چاہیئے۔

مریض کے لواحقین کے ساتھ برتاؤ:

(Attitude towards Attendents of Patient):

طبی اخلاقیات کی رو سے اس بات کا اہتمام کرنا ضروری ہے کہ ہسپتالوں میں معالج مریضوں اور ان کے لواحقین کے ساتھ مناسب سلوک کرے۔ہسپتال میں مریض کی عزت نفس مجروح نہیں ہونی چاہیئے۔ معالج کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مریض اور اس کے لواحقین کے ساتھ بدکلامی کا مرتکب ہو۔معالجین پر لازم ہے کہ وہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں۔اور ان کو مریض کے بارے میں تسلی دیں۔اس سے ان کے دلوں سے دعا بھی نکلے گی اور معالجین کے بارے میں احترام بھی بڑھے گا۔

ہڑتال (Strike)

احتجاج ہر ملازم کا قانونی حق ہے لیکن آئے روز کی بے جا ہڑتالوں سے مریض کے مرض میں اضافہ ہوتا ہے جس سے مریض کی جان خطرے میں پڑ جاتی ہے۔احتجاج کے لئے مناسب جگہ اور اپنی غیر موجودگی کی صورت میں دوسرے ڈاکٹر کو مامور کرنا چاہئے۔تاکہ نئے بیماروں کی آمد اور داخل مریضوں کے علاج میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔

آلات وادویات کی خریداری (Purchase of equipment and medicine):

ہسپتالوں میں ادویات اور دوسرے ساز وسامان کی خریداری میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔اس میں شامل کسی قسم کا کمیشن لینا اور تحفے وغیرہ وصول کرنا جائز نہیں ہے۔ معیار اور مناسب قیمت پر سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ان جیسی خرابیوں کو دور کرنا معالج کا فرض بنتا ہے۔بعض طبی آلات بنانے والی اور دوا ساز کمپنیاں ایسی بھی ہیں جو کہ معالج کو مختلف طریقوں سے رشوت اور کمیشن کی پیشکش کرتے ہوئے اعلیٰ دوائی اور آلات کی بجائے کم تر درجہ

تجویز کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔اور اسی طرح معالج ایک گناہ کے کام میں کمپنی کے ساتھ تعاون پر آمادہ ہوکر اپنی حلال کمائی کو حرام میں تبدیل کردیتا ہے جو کہ گناہ ہے۔

سرٹیفکیٹ کا اجرا(Issuing / Awarding Certificate):

رخصت کے لئے میڈیکل سرٹیفکیٹ، عمر کی تعین کا سرٹیفکیٹ (Fitness) کا ہو یا لیگل سرٹیفکیٹ (Legal Certificate) ہو ان تمام کی حیثیت گواہی دینی کی ہے اور اگر ایک معالج غلط سرٹیفکیٹ جاری کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غلط گواہی دے رہا ہے۔قرآن پاک کا ارشاد ہے:"**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِينَ لِلّهِ شُهَدَاء بِالْقِسْطِ**" (۲۹۴) (مؤمنوں! خدا کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہوجایا کرو)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے شک کی بناء پر گواہی دینے سے منع فرمایا ہے۔"**فَلاَ تَشْهَدْ إِلَّا عَلَى أَمْرٍ يُضِيءُ لَكَ كَضِيَآءِ هٰذِهِ الشَّمْسِ**"(۲۹۵)(جب تم کسی معاملے کو سورج کی طرح واضح طور پر جانتے ہو تو اس کی گواہی دو ورنہ گواہی نہ دو)

اور دوسرا یہ کہ جھوٹے پر اللہ تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے۔لہٰذا ایک مسلمان معالج سے بجا طور پر یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ ایک ایسے معاملے میں غلط گواہی نہیں دے گا جو کہ جھوٹا ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستوجب بنتا ہے۔اس کی ابتداء ایک طالب علم ڈاکٹر کلاس سے کچھ اس طرح شروع کرسکتا ہے کہ وہ کلاس میں دوسرے ہم جماعت (Class Fellow) کی غیر حاضری کی صورت میں حاضری یعنی (Proxy) نہ لگائیں کیونکہ یہ بھی جھوٹ اور دھوکہ میں شامل ہے۔

غیر ضروری ادویات اور ٹیسٹوں سے اجتناب:(Avoiding Unnecessary Tests / Prescriptions)

پیشہ طب میں ایک اور وبا جو آج کل بہت سرایت کرچکی ہے وہ کمیشن کی لعنت ہے۔ معالجین حضرات کو کمیشن کی خاطر ایسی مخصوص لیبارٹری میں اپنے مریضوں کو طبی تحقیقات/ٹیسٹ کی خاطر نہیں بھیجنا چاہیئے کیونکہ مریض معالج کی شخصیت، قابلیت، اس کے پیشے اور اس کو مخلص وخیر خواہ سمجھتے ہوئے اس کے پاس آتا ہے اس لئے اگر کوئی معالج ایسا کرتا ہے تو بلاشبہ یہ استحصال کے زمرہ میں آتا ہے جو کہ طبی اخلاقیات کے منافی ہے۔ان اخلاقی امور میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مریض کے لئے نسخہ لکھتے وقت یہ کوشش کرنی چاہئے کہ دوا سستی اور مؤثر ہو۔بہت سی مقامی دوا ساز کمپنیاں ایسی ہیں جو معیاری دوائیں تیار کرتی ہیں اور ان کی قیمت بیرونی کمپنیوں سے کم ہوتی ہے اس لئے کوشش یہ ہونی چاہئے کہ مریض پر کم سے کم مالی بوجھ پڑے۔البتہ یہ قابل تحسین امر ہوگا کہ اگر معالج یہ سمجھتا ہے کہ ایک ٹیسٹ مریض کے لئے ضروری ہے اور پھر اس علاقے میں بہترین لیبارٹری یا تشخیصی مرکز ہے وہاں بھیج دیتا ہے جہاں سے نہ تو وہ کمیشن وصول کرتا ہے اور نہ کوئی ذاتی منفعت اس کی مطمح نظر ہوتی ہے۔

حلال وحرام(Halal and Haram):

انسان مادی اور روحانی وجود کا نام ہے اور ان دونوں کی بقاء ونشو ونما کے لئے الگ الگ تقاضے ہیں، جس طرح روحانی وجود کی بقاء کے لئے وحی کی تعلیمات کی ضرورت ہے اسی طرح مادی وجود کے لئے بھی آسمانی ہدایات کا ہونا ضروری ہے ورنہ انسان

جانوروں کی طرح خیر وشر کی تمیز سے بالاتر ہوکر زندگی گزارے گا جس کا دنیوی اور اخروی نقصان واضح ہے۔ اللہ جل شانہ نے انسان کی پیدائش کے بعد اس کے لئے دنیا میں سامان معیشت کو بھی پیدا کیا، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ یہ حلال وطیب ہوں، واضح رہے کہ حلال سے مراد وہ مباح امور یا غیر ممنوع امور ہیں جن کے کرنے کی شرع نے اجازت دی ہو اور حرام اس امر کو کہا جاتا ہے کہ جس کی شریعت نے قطعاً ممانعت کی ہو اور جس کی خلاف ورزی سے مرتکب کو آخرت میں سزا کا سامنا کرنا ہو، اور بعض صورتوں میں دنیا میں بھی اس کے لئے سزا رکھی گئی ہو، شریعت اسلامیہ میں حلال وحرام کے علاوہ ایک اور صورت بھی بیان ہوئی ہے جو ان دونوں کے درمیان شمار کی جاتی ہے جو مکروہ کے نام سے متعارف ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا امر جس سے شریعت نے روکا ہو لیکن اس اسلوب کے ساتھ کہ سخت ممانعت نہ کی ہو، یہ درجہ میں حرام سے کچھ کم رہتا ہے اس کا مرتکب اس سزا کا مستحق نہیں ہوتا جس سزا کا مستحق حرام کا ارتکاب کرنے والا ہوتا ہے۔ البتہ اس کی مسلسل خلاف ورزی اور بے وقعتی کرنے پر حرام کی سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔

حلال رزق کے بارے میں اللہ جل شانہ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں: "**يَآ اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ**"(۲۹۶) "اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ جو عمل تم کرتے ہو میں ان سے واقف ہوں"۔

اس آیت میں اللہ جل شانہ نے ہر زمانہ کے نبی ورسول کو اس بات کی نصیحت فرمائی، اور ان کی وساطت سے ان کی امتوں کو بھی اس بات کا پابند بنانا تھا تاکہ وہ اس پر سختی سے عمل درآمد کریں کہ رزق حلال وطیب کھائیں اور حرام وناپاک رزق سے پرہیز کریں اور اعمال صالحہ کریں۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: "**يَآ اَيهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ اِنَّه لَكُم عَدُوٌّمُّبِيْن**'(۲۹۷)'. "لوگو جو چیزیں زمین میں حلال طیب ہیں وہ کھاؤ۔ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے"۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ آیت اللہ کے حبیب ﷺ کے روبرو تلاوت کی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا: یارسول اللہ ﷺ، میرے لئے اللہ تعالیٰ سے مستجاب الدعوات بننے کی دعا فرمادیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے سعد، اپنا کھانا پاکیزہ اور حلال رکھو۔ تم مستجاب الدعوات بن جاوگے۔(۲۹۸)

ان تمام فرامین کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی اعتراف فرمایا کہ رزق کا عطاء کرنا مخلوق کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ یہ صراحتاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کیا جاتا ہے، ارشاد باری ہے: "**اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ**"(۲۹۹): "خدا ہی تو رزق دینے زورآور اور مضبوط ہے"۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ ذکر فرماتے ہیں: "**وَفِى السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ**"(۳۰۰). "اور تمھارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان میں ہے"۔

انہی امور کے ساتھ ساتھ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اسلامی تعلیمات میں کسب حلال کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے جیسا

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اُس کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں جس کو کسی نے اپنے ہاتھوں سے کام کر کے حاصل کیا اور بے شک اللہ کے نبی داؤد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اپنی ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے"۔(۳۰۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تیرے اندر یہ چار باتیں ہوں تو دنیا تجھ کو نہ بھی ملے تو تجھے کوئی نقصان نہیں۔ایک امانت کی حفاظت، دوسری بات میں سچائی تیسری اچھے اخلاق اور چوتھی کھانے میں پاکیزگی (رزق حلال)۔(۳۰۲)

ایک دوسری روایت میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس آدمی نے حلال مال کمایا، پھر اس کو اپنی ذات پر خرچ کیا یا اللہ تعالی کی مخلوق کو کھلایا، یا (اس مال میں سے) کپڑا پہنایا تو اُس کے لئے یہ عمل پاکیزگی وطہارت کا ذریعہ بنے گی۔(۳۰۳)

ان تمام ارشادات سے حلال اور حرام کی تقسیم تو بخوبی واضح ہوتی ہے تاہم بعض امور اور اشیاء ایسی بھی ہیں کہ انہیں ہم مشتبہات کے درجے میں رکھ سکتے ہیں، ایسی صورت میں ایمان کا تقاضا ہے کہ انسان حرام سے تو اجتناب کرتا ہی ہے تاہم مشتبہات سے بچنا بھی اس کے ایمان کا تقاضا رہے گا، رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح، اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں، جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے (کہ حلال ہیں یا حرام) پھر جو شخص ان مشتبہ چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا۔اور جو ان میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ گیا (اور اس کی مثال) اس چرواہے کی سی ہے جو چراگاہ کے آس پاس اپنے جانوروں کو چراتا ہے اور قریب ہے کہ اس میں گھس جائے اور سن لو کہ ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی چراہ گاہ اس کی حرام کردہ ہیں۔(لہذا ان سے بچو) یاد رکھو انسانی جسم میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر وہ صحیح ہو جائے تو سارا جسم صحیح رہے گا اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جائے گا، سن لو! وہ دل ہے۔(۳۰۴)

یہ امر واضح ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی حلال اور حرام کی گئی اشیاء قرآن وسنت سے مکمل واضح ہیں، البتہ جن امور کے بارے میں خوف کا شائبہ رہتا ہے وہ مشتبہ امور ہیں، جن کے ترک سے ہی آدمی کا ایمان محفوظ رہتا ہے، اگر مشتبہات سے پہلوتہی نہ کی جائے تو عین ممکن ہے کہ کسی دن وہ حرام کام کا بھی ارتکاب کر بیٹھے گا، اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو اپنے اونٹوں یا بھیڑ بکریوں کو کسی اور کی چراگاہ کے اردگرد چراتا ہے۔امکان ہے کہ اس چرواہے کے مویشی اس چراگاہ کے قریب ہونے کی وجہ سے اس کے اندر جا کر چرنا شروع کر دیں، تو اسی طرح انسان بھی مشتبہات کے سلسلے میں سست روی کا مظاہرہ کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ اس کے دل میں حرام کے ارتکاب کرنے میں بھی جرأت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حرام سے بچنے کا واحد حل مشتبہ اشیاء کے استعمال سے احتیاط کر کے ان سے اجتناب کیا جائے۔

اللہ جل شانہ نے اس دنیا میں انسان کو پیدا کر کے اس کی بقاء کے لئے اسبابِ رزق بھی مہیا کئے ہیں، اور یہ ہدایات بھی دی ہیں کہ وہ اپنے لئے اور اپنے اہل وعیال کے لئے جائز طریقوں سے رزق حلال کمائے۔دوسری طرف شریعت نے

چوری، رشوت، سود اور دیگر حرام طریقوں سے اشیاء کی خرید و فروخت وغیرہ سے منع فرمایا ہے بلکہ اس کے ارتکاب پر سخت وعیدات ذکر فرمائی ہیں۔

ایک ڈاکٹر کو اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں ایسے بہت سے مواقع میسر آ سکتے ہیں کہ اگر اسے خوف خدا نہ ہو تو عین ممکن ہے کہ حرام کمائی میں مبتلا ہو جائے، مثلاً ڈیوٹی میں غفلت، کمیشن لینا، ادارے کی اشیاء اور سامان کو ذاتی مقاصد کے لئے استعمال کرنا، دیگر معاملات میں خرد برد کرنا، تقرریوں و تعیناتیوں میں حق دار کی حق تلفی کرنا، حالت اضطرار کے بغیر حرام دوائی تجویز کرنا وغیرہ ایسے امور ہیں جن سے اجتناب کرنا بطور ایک مسلمان ڈاکٹر اور ذمہ دار شہری کے بنیادی فرائض میں شامل ہیں۔

بحیثیت مسلمان ہمارا یہ یقین ہو کہ رزق اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے جیسا کہ سورۃ القصص میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتَاکَ اللهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَکَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللهُ اِلَيْکَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ"(۳۰۵). "اور جو (مال) تم کو خدا نے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت کی بھلائی طلب کیجئے اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلائے اور جیسی خدا نے تم سے بھلائی کی ہے (ویسی) تم بھی (لوگوں سے) بھلائی کرو اور ملک میں طالب فساد نہ ہو کیونکہ اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا"۔

اسی طرح حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اچھے طریقے سے (اعتدال کے ساتھ) روزی طلب کرو کیونکہ کوئی انسان اپنا رزق پورا کیے بغیر نہیں مرے گا اگرچہ اس (رزق کے حصول) میں دیر ہو جائے۔ چنانچہ اللہ سے ڈرو اور اچھے طریقے سے روزی طلب کرو۔ جو حلال ہے، وہ لے لو اور جو حرام ہے، وہ چھوڑ دو۔"۔(۳۰۶)

اللہ جل شانہ نے انسان کے مقدر میں جتنا مال لکھا ہے اس کو وہ مل کر ہی رہے گا، تو بجائے حرام کمائی میں اپنی توانائیاں صرف کرے اس مقصد کے حصول کے لئے جائز طریقوں کو بروئے کار لائے تو دنیا میں بھی سرخروئی حاصل ہوگی اور آخرت میں بھی نجات کا ذریعہ بنے گا۔

دسواں باب

معالج اور معاشرہ

(A Doctor and Society)

معاشرہ کے دوسرے افراد کی طرح معالج بھی اس کا ایک ذمہ دار فرد ہوتا ہے تو جسطرح تمام دوسرے افراد پر معاشرے کے کچھ فرائض اور ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔اسی طرح ایک معالج پر بھی عائد ہوتی ہیں۔

صحت کے حوالے سے ہمارے ہاں اکثر امراض عدم صفائی کیوجہ سے پھیلتی ہیں۔حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

"وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ o " (۳۰۷) اور خدا پاک رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ أَلطَّهُوْرُ شَطْرُ الْإِیْمَانِ (۳۰۸) کہ صفائی ایمان کا حصہ ہے۔

صفائی کی طرف لوگوں کو راغب کرنے میں معالج معاشرے کے دوسرے بارسوخ طبقات جسے علماء، اساتذہ اور وکلاء وغیرہ کے تعاون سے اہم کردار ادا کرسکتا ہے لوگوں کو اپنی نظافت، گھر اور ماحول کی صفائی کی اہمیت سے باخبر کرے۔اور جو آلودگی مثلاً کارخانوں اور گاڑیوں سے پیدا ہوتی ہے۔حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کرنے میں اپنا کردار ادا کرے۔جسکے لئے وہ اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے کانفرنسز، اور دوسرے ذرائع ابلاغ کو استعمال میں لا سکتا ہے۔وبائی امراض پھوٹ پڑنے کی صورت میں معالج ہی بہترین راہنما ثابت ہوسکتا ہے۔کہ لوگ کیسے اپنے آپ کو متعدی امراض سے بچائیں۔اور اسکے لئے کون سے انسدادی تدابیر بروئے کار لائی جائیں۔

آج دنیا ایک عالمی گاؤں(Global Village) بن چکی ہے۔اور ذرائع مواصلات اور ابلاغ چند لمحوں میں کوئی اچھی یا بری خبر پھیلا سکتے ہیں۔ایک طرف اس کے کچھ فوائد ہیں تو دوسری طرف اسکے بہت سے نقصانات بھی سامنے آچکے ہیں۔مثلاً مغرب کے کچھ امور اگر قابل تقلید ہے تو دوسری طرف بے راہ روی نے ہمارے لئے بہت سے مسائل اور امراض پیدا کئے ہیں۔اس وجہ سے اگر ایک طرف ہمارا خاندانی نظام متاثر ہوتا جا رہا ہے تو دوسری طرف بہت سے خطرناک امراض جیسے ایڈز اور یرقان وغیرہ روز بروز پھیلتے جارہے ہیں۔اور معاشرہ ان سے اس وقت پاک رکھا جاسکتا ہے کہ اگر ہم شریعت کے زریں اصولوں کو مدنظر رکھیں۔لوگوں کو اس بارے میں صحیح طور پر باخبر کرنے کیلئے ایک معالج ہی بہترین کردار ادا کرسکتا ہے۔کیونکہ ایک عام فرد دوسروں کے مقابلے میں معالج کی بات اور نصیحت زیادہ سنجیدگی سے لیتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے۔

اسی طرح ہمارے معاشرے میں نشہ آور اشیاء اور دواؤں کا استعمال بھی روز بروز بڑھتا جارہا ہے اور جب تک تمام معالجین اس سنگین مسئلے پر معاشرے کی رہنمائی میں حصہ نہ ڈالیں تو اس سے چھٹکارا ممکن نہیں۔نشہ خواہ شراب

کا ہو، چرس اور ہیروئن وغیرہ کا ہو۔شریعت نے ان سب کو حرام ٹھہرایا ہے۔ کیونکہ یہ عقل کو خراب کرتی ہیں۔ اگر عقل خراب ہو جائے تو وہ نہ صرف اپنے آپ کو تباہی اور بربادی کے دھانے پر لے جاتا ہے بلکہ اس کے ساتھ وہ معاشرے پر بھی ایک غیر ضروری بوجھ بن جاتا ہے۔تو لوگوں کی ذہن سازی کے حوالے سے معالجین معاشرے میں بہت مفید کردار ادا کر سکتے ہیں۔اسی طرح سگریٹ نوشی ،نسوار اور پان وغیرہ صحت کیلئے بہت مضر ہے اور تحقیق کے مطابق یہ سرطان کا ایک بڑا سبب ہے حالانکہ ہمارے معاشرے میں لوگوں کو کَمَاحَقَّہٗ آگاہی حاصل نہیں ہے یہ معالج کی ذمہ داری ہے کہ معاشرہ کو اس ناسور سے پاک کرنے میں اپنا کردار ادا کرے۔ نہ خود سگریٹ نوشی وغیرہ کرے اور نہ دوسروں کو ایسا کرنے دے۔

۱۔ جدید طبی مسائل(Current Medical Issues):

موجودہ دور میں سائنس کی نا قابل یقین ترقی نے جہاں انسان کو سہولیات سے آراستہ کیا ہے وہاں مسلمان ڈاکٹروں کے لئے جدید طبی مسائل نے بھی جنم لیا ہے۔جس میں ستر وحجاب کا مسئلہ، بچوں کی پیدائش میں ضروری وقفہ ،عالمی وباؤں میں ڈاکٹر کا کردار، آسان موت، انتقال خون ،اعضاء کی پیوند کاری اور میڈیکل پریکٹس میں انسانی خلیات وغیرہ سے متعلق طبی تحقیق شامل ہے ایک طرف اگر اسکے بہت سے فوائد ہیں کہ اس سے مریض کی زندگی میں ایک مثبت تبدیلی آتی ہے لیکن دوسری طرف یہ معالجین کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس میں کسی بھی لحاظ سے اخلاقی اور قانونی اقدار کو نہ خود پامال کرے اور نہ دوسروں کو ایسا کرنے دیا جائے۔

اسی طرح ہسپتالوں میں ستر و پردے کا مسئلہ بھی توجہ طلب ہے۔کیونکہ ہسپتالوں میں مریضوں کے علاج ، اور آپریشن کے دوران عام طور پر کچھ ایسے امور کا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ شرعی نقطہ نگاہ سے ان کا جائزہ لینا ضرروری ہے۔جب کوئی مریض یا مریضہ ہسپتال میں علاج کیلئے آتا ہے تو اس کے لئے ستر اور پردے کا اہتمام ضرور ہونا چاہئے۔ جو شرعی طور پر مطلوب ہے ۔حسب ذیل سطور میں چند اقدامات کا ذکر کیا جاتا ہے ۔تا کہ ہمارے معالجین مریض کا خیال رکھ کر دنیا اور آخرت میں سرخرو ہوں۔

۱۔ ہر معالج کیلئے لازمی ہے کہ وہ اپنی بے پناہ مصروفیات میں سے کچھ وقت نکال کر اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اسلام سے متعلق عموماً اور اپنے پیشہ سے متعلق شرعی احکامات خصوصاً سیکھ لے۔الحمدللہ کہ آج ہر زبان میں ایسا لٹریچر آسانی سے دستیاب ہیں،جن سے ہر ایک تعلیم یافتہ شخص آسانی کے ساتھ استفادہ کر سکتا ہے۔

۲۔ بلا ضرورت معالج کا مریض کی ''عورۃ''یعنی (جسم کا وہ حصہ جس کا شرعی طور پر کھولنا جائز نہیں) کو دیکھنا حرام ہے۔یاد رکھنا چاہیئے کہ عورت کا تمام بدن اجنبی مرد کیلئے عَوْرَتْ (پردہ) کے درجہ میں ہے۔نظر کی حفاظت کے حوالے سے بہت سی نصوص وارد ہیں سورۃ النور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ط ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ o

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِن اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ (۳۰۹) مؤمن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچے رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ ان کے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے۔ اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ ان سے خبردار ہے۔ اور مؤمن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنے نگاہیں نیچے رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ اسی حوالے سے رسول ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

قَالَ لَايَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلٰى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَاالْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ وَلَايُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ (۳۱۰) ابوسعید خدریؓ رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مرد نہ دوسرے مرد اور نہ عورت دوسری عورت کی شرم گاہ کو دیکھے۔ اور نہ مرد دوسرے مرد کیساتھ اور نہ ایک عورت دوسری عورت کے ساتھ ایک لباس میں یکجا ہوں۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

عَنْ نَظَرِ الْفُجَآءَةِ فَأَمَرَنِي أَنْ أَصْرِفَ بَصَرِيْ (۳۱۱)

حضرت جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول ﷺ سے اچانک نظر پڑنے کے بارے میں پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے نظر پھیرنے کا حکم دیا۔

عورت کو بلاضرورت دیکھنا قرآن اور حدیث کے واضح نصوص کی روشنی میں حرام ہے۔ چاہے کہ اس کی اجازت عورت کیطرف سے یا اسکے شوہر یا دوسرے محرم کیطرف سے کیوں نہ ہو۔ بہرحال اس سے اجتناب لازمی ہے۔

مرد یا عورت معالج ایک مریض کا علاج چند شرائط کو ملحوظ رکھ کر کرسکتا ہے۔

۱۔ اصولاً یہ ہونا چاہیئے کہ مرد کا علاج مرد کرے اور عورت کا علاج عورت ہی کرے۔ اگر عورت معالجہ موجود نہ ہو تو اس صورت میں مرد معالج کو مریض عورت کا علاج جائز ہوگا۔ ایسے ہی حالات میں مرد مریض کا علاج عورت بھی کرسکتی ہے۔

۲۔ کَشْفِ عَوْرَتْ (پردہ ظاہر کرنا) ضرورت کے مطابق ہو یعنی جسم کا وہ حصہ جس سے معائنہ تسلی بخش طور پر کیا جاسکتا ہو اس حد تک کَشْفِ عَوْرَتْ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ شرعی اصول یہ ہے کہ جتنی ضرورت ہو اتنا ہی پردہ ظاہر کرنا چاہیے۔

۳۔ محرم یا دوسری عورت کی موجودگی میں مریض عورت کا معائنہ کرنا چاہیئے۔

مریض کے علاج کے دوران ڈاکٹر کے لیے یہ ایک زریں موقع ہوتا ہے کہ مریض کو نیکی اور بھلائی کی ترغیب دے اور برائی سے روکنے کی نصیحت کرے کیونکہ یہ کام امت محمدیہ ﷺ کا خصوصی امتیاز ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ جبکہ دعوت کا عمل قیامت تک جاری رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ کے ہر امتی پر لازم ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر جیسے اہم عمل میں اپنا حصہ ڈالیں۔ قرآن پاک کا مطالعہ کیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل پر اسی وجہ سے لعنت بھیجی گئی کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتے تھے۔ سورۃ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ط ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ o کَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْکَرٍ فَعَلُوْهُ ط لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ o (۳۱۲)

جولوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داؤدؑ اور عیسیٰ ابن مریمؑ کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس لئے کہ نافرمانی کرتے تھے۔ اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ (اور) برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے۔ بلاشبہ وہ برا کرتے تھے۔ یہ خطابات جسطرح دوسرے مسلمان کیلئے ہے اسی طرح ایک معالج کیلئے بھی ہے کہ جب کوئی مریض /مریضہ ارادتاً یا انجانے میں کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب کرے تو معالج فوری طور پر اسکو ایسا کرنے سے منع کرے لیکن اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ معالج امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بہت نرمی اور حکمت سے کرے۔ایسا نہ ہو کہ مریض یا مریضہ پر اس کے منفی اثرات پڑیں۔

۲۔ بچوں کی پیدائش میں وقفہ (Interval in birth of children):

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔جس میں معاشرتی زندگی گزارنے کے تمام اصول وضوابط بیان کیے گئے ہیں جس میں خاندان کی اہمیت اور استحکام بھی شامل ہے۔ یہ معاشرے کی سب سے اہم اکائی ہے۔ معاشرے کی ترقی اور استحکام کا انحصار بھی خاندان پر ہوتا ہے۔قرآن کریم کے ایک تہائی احکام عائلی زندگی کے متعلق ہیں۔ کیونکہ خاندان ایک چھوٹا سماج ہے۔لہذا خاندان کو وسیع کرنے اور اپنی خواہشات کو پورا کرنے کیلئے اسلام نے نکاح کا عمل بتایا ہے جس سے ایک طرف جنسی خواہش پوری ہوتی ہے تو دوسری طرف اولاد کی پیدائش کا جائز اور شرعی سلسلہ ترویج ہوتا ہے۔حضورﷺ نے فرمایا:تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّی مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْاُمَمَ (۳۱۳) محبت کرنے والی اور جننے والی عورت سے شادی کرو تا کہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

اسلام سے قبل جاہلیت کے دور میں بچوں کو غربت اور مفلسی کے ڈر کی وجہ سے قتل کیا جاتا تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۃ الاسراء میں منع فرمایا:وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ(۳۱۴) اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل مت کرو۔ کیونکہ رزق کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے اُٹھایا ہے اور وہ ہی رزق عطا کرتا ہے۔ بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی فطری طور پر اس کے لئے رزق کا بندوبست اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر ہو جاتا ہے جو ماں کے سینے میں دودھ کا تکوینی نظام ہے۔جس کے پینے سے بچہ صحت مند رہتا ہے۔ جو مائیں بچوں کو دودھ نہیں پلاتیں اس سے ایک طرف بچہ بیماریوں کی گرفت میں آجاتا ہے۔تو دوسری طرف بچے کو اپنے شرعی حق سے محروم کیا جاتا ہے۔اور جدید تحقیق کے مطابق ایسے بچے متعدد موذی امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں قرآن کریم میں واضح طور پر فرمایا کہ مائیں اپنے بچوں کو دو سال تک دودھ پلائیں گی (۳۱۵)لہذا جو مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں گی تو اسکے بچوں میں قدرتی طور تقریبا تین سال کا وقفہ ہو جائیگا۔مگر آج کل کے دور میں غذائیں خالص نہ ہونے اور حمل کے دوران احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے مردوں سے زیادہ عورتوں میں کمزوریاں بڑھ رہی ہیں اور مختلف امراض میں مبتلا ہو رہی ہیں جس کی وجہ سے بچوں کی زیادہ پیدائش ماں کی صحت پر خراب اثرات ڈالتی ہے جبکہ شریعت ماں اور بچے دونوں کی

صحت کا خیال رکھنے کا حکم دیتی ہے جو عورتیں بچوں کی پیدائش میں شریعت کے مطابق شوہروں کی رائے سے وقفہ کرتی ہیں ان کی صحت بھی صحیح رہتی ہے۔ اور بچوں کو زیادہ توجہ بھی مل جاتی ہے اور بچوں کی تعلیم و تربیت بھی بہتر ہوتی ہے۔ چونکہ بچے اپنے والدین کے پاس امانت ہوتے ہیں۔ لہذا اگر اچھی عادات اور اچھی تعلیم سے سنوارا جائے تو بچے اسی پر عمل پیرا ہوجاتے ہیں۔ اور اگر کھلا چھوڑا جائے تو وہ ہلاکت اور بربادی کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اور اس کا گناہ والدین کے سر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں: اے ایمان والوں! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ (۳۱۶) اولاد کے حقوق کے حوالے سے والدین کو عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اولاد کی پرورش اور انکو تحائف دینے میں بھی نا انصافی سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے (۳۱۷)۔

جدید تحقیق کے مطابق جو عورتیں حمل میں اڑھائی سال سے ساڑھے تین سال تک کا وقفہ کرتی ہیں۔ اس دوران ماں کی صحت بہتر ہو جاتی ہے اور وہ اگلے بچے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں۔ پہلے حمل میں عورت جسمانی طور سے کمزور ہوتی رہتی ہے کھانے پینے کی طرف دھیان نہیں ہوتا۔ پھر دوسرے اور تیسرے بچے کی پیدائش پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے اور اس کے لئے صحیح اور متوازن کھانا اور ورزش وغیرہ کا بندوبست کرتی ہے تو خود بھی تندرست رہتی ہے اور بچہ بھی صحت مند رہتا ہے۔

شریعت اسلامی کے مطابق خاص حالات میں بچوں کی پیدائش میں مناسب وقفہ جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ طریقہ جائز ہو۔ اور ماں کی صحت پر اثر انداز نہ ہوتا ہو۔ امام غزالی کے مطابق اگر کثرت اولاد کی وجہ سے زیادہ حرج اور تکلیف میں پڑنے کا خوف ہو۔ بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے لئے زیادہ کمائی کرنے اور اس کے لئے ناجائز اور غیر مناسب طریقے اختیار کرنے کی ضرورت پڑتی ہو تو گو کہ توکل کے خلاف ہے تاہم اگر اس ناپسندیدہ صورت حال سے احتراز مقصود ہو تو ہم نہیں کہیں گے کہ یہ (وقفہ) منع ہے (۳۱۸)۔ خاندانی منصوبہ بندی کی حیثیت علاج کی طرح ہے جسکا استعمال بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت ہونا چاہئیے۔ اس حوالے سے ڈاکٹروں کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کے متعلق تمام شرعی اصول وضوابط کو مدنظر رکھتے ہوئے علاج ومعالجہ کریں۔ تاکہ تمام غیر شرعی اور غیر اخلاقی راستوں کا سد باب ہو سکے۔

۳۔ وبائی امراض سے اموات (Response to Death Pandemic):

قرآن حکیم کی آیات کی روشنی میں طوفان، آندھی، زلزلہ اور وبا جیسی آفات عذاب الٰہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ جو انسان کی سرکشی یا اس پر آزمائش کا بدلہ ہوتی ہیں۔ عمومی طور پر یہ اس صورت حال کا پیدا کرنا انسان کے اپنے ہاتھ کی کمائی ہوتی ہے۔ عذاب یا آزمائش کا مقصد انسان کو رجوع الی اللہ کی طرف مائل کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ اپنے گناہوں پر نادم ہو کر توبہ کرے۔ سورۃ الروم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ظَهَرَ الفَسَادُ فِي البَرِّ وَ البَحرِ بِمَا كَسَبَت اَيدِى النّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعضَ الَّذى عَمِلُوا لَعَلَّهُم يَرجِعُون. (۳۱۹)

''بحر و بر میں فساد رونما ہو چکنا لوگوں کے اعمال کے سبب سے ہے، تاکہ وہ ان کو مزہ چکھائے ان کے بعض اعمال کا تا کہ وہ لوٹ آئیں۔'' دوسری جگہ فرمایا: **وَلَنُذِيقَنَّهُم مِنَ العَذَابِ الاَدنىٰ دُونَ العَذَابِ الاَكبَرِ لَعَلَّهُم يَرجِعُونَ**

(۳۲۰) ''اور ہم لازماً انہیں چھوٹے عذاب کا مزہ چکائیں گے بڑے عذاب سے پہلے شاید کہ یہ لوگ پلٹ آئیں''

اور کبھی یہ وبائیں آزمائش کے طور پر اپنے بندوں پر آجاتی ہیں تاکہ مصیبت اور تکلیف میں بھی انسان کے ہاتھ سے صبر کا دامن نہ چھوٹے اور اس میں باقی لوگوں کا بھی امتحان ہوتا ہے کہ مصیبت کی گھڑی میں لوگ کس طرح متاثرین کی امداد کرتے ہیں ان اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے اسلام نے ہمارے لیئے وبا اور متعدی امراض کے زمانے میں درمیانی راستہ بتایا ہے۔ تاکہ متاثرہ لوگ بھی بے یارو مددگار نہ رہیں۔ اور ساتھ ہی یہ اصول مرتب کیا ہے کہ مرض اور وبا کے مزید پھیلنے سے بچنے کے لیئے وہاں جانے پر پابندی لگائی ہے۔

شام کے علاقے میں عمرو بن عاصؓ جو مسلمانوں کے لشکر کے سپہ سالار تھے نے لوگوں کو منتشر ہونے کا حکم صادر فرمایا تھا تاکہ لوگ پہاڑوں پر جا کر الگ الگ رہیں تاکہ مرض مزید نہ پھیلے۔ ان کا یہ فیصلہ طبی لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی فیصلے کو ہم آج Isolation یا Social distancing کہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں حفظانِ صحت کے بہترین اصول و آداب موجود ہیں۔ آپ ﷺ نے گھروں اور صحنوں کو صاف ستھرا رکھنے کا حکم دیا۔ راستوں سے تکلیف دہ اور گندی چیزوں کے ہٹانے کی تاکید کی۔ ایک حدیث شریف میں ہاتھوں کی صفائی کا حکم صادر فرمایا ہے۔ ڈاکٹروں کے لیئے بھی یہ اصول بیان کیا ہے کہ دورانِ علاج اپنے جسم کی حفاظت کرے کیونکہ جب وہ مریض کا علاج کرتے ہیں تو اس بات کا احتمال بڑھ جاتا ہے کہ مریض سے مرض منتقل ہو جائے اس لیئے سب سے پہلے خود اپنی جان کی حفاظت کرے تاکہ صحت مند رہتے ہوئے مریضوں کا علاج کر سکے۔ وبا میں فوت ہونے والوں کو شہادت کا درجہ اس لیئے دیا گیا ہے کہ خدمت کے جذبے سے سرشار ہو کر خدانخواستہ اگر یہ خود فوت ہو جائے تو اس کی موت شہادت کی ہوگی (۳۲۱)۔

۴۔ Euthanasia یا آسان موت:

ہمارے جسم و جان اللہ تبارک وتعالیٰ کی تخلیق، اس کی مِلک اس کا انعام اور اس کا عطیہ ہے۔ انسانی جسم اللہ تعالیٰ کی مقدس امانت ہے خالق و مالک نے شریعت کی طے کردہ حدود کے اندر اس جسم کو استعمال کرنے کا ہمیں حق عطا کیا ہے۔ اور اسی پر سزا و جزا کا مدار ہے۔ ہم اس جسم و جان کے مالک نہیں ہیں۔ اسی بنا پر ہمیں اپنی جسم و جان کو ختم کرنے کا نہ ہمیں اختیار ہے اور نہ کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی کی زندگی ختم کرے خواہ وہ ڈاکٹر ہو یا قریبی رشتہ دار ہو۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت کی رو سے خودکشی حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے پہاڑ سے گرا کر اپنے آپ کو ہلاک کر لیا تو وہ دوزخ میں بھی ہمیشہ اسی طرح اپنے آپ کو گراتا رہیگا اور جس نے زہر پی کر اپنی جان لی تو وہ دوزخ میں بھی ہمیشہ اسی طرح زہر پیتا رہے گا اور جس نے کسی دھاری دار ہتھیار سے خودکشی کی تو وہ دوزخ میں بھی خود اپنے ہاتھ سے اپنے پیٹ پر وار کرتا رہے گا'' (۳۲۲)

بیمار اور معذور افراد کو جن کی صحت مند زندگی کی توقع نہیں جو ایک طرف خود اذیت میں گرفتار ہیں اور دوسری طرف

اہلخانہ پر بوجھ ہیں انہیں اذیت سے نجات دینے یا خاندان کو ان کی ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لیئے ان کو خود یا کسی ڈاکٹر کی مدد سے ایسی صورت اختیار کرنا کہ وہ جلد مر سکیں۔مثلاً ایسی دواؤں کا استعمال کرنا جو زندگی کو ختم کریں ناجائز اور حرام ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ہر مرض کی دوا ہے اور گناہوں کی دوا استغفار ہے۔حدیث کی رو سے کوئی بھی مرض لاعلاج نہیں ہے اور مشاہدے سے بھی یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ کچھ عرصہ قبل بہت سی بیماریاں لاعلاج تصور کی جاتی تھیں۔مثلاً ٹی بی، چیچک وغیرہ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اس کا علاج دریافت ہوا اسی طرح کینسر ،ہیپا ٹائٹس سی لاعلاج تصور کیے جاتے تھے لیکن الحمدللہ آج ان امراض کے علاج میں کافی پیش رفت ہوئی ہے۔اسی بنا پر ڈاکٹر کو اور خود مریض کو حتی الوسع کوشش کرنی چاہیئے کہ مرض کا علاج ممکن بنایا جا سکے۔اس کے علاوہ ڈاکٹر کا واسطہ بعض اوقات ایسے مریض کے ساتھ بھی پڑتا ہے کہ مریض کا (Brain death) یعنی مریض کا دماغ کام بند کر دیتا ہے وہ حقیقتاً مر چکا ہوتا ہے لیکن اس کو مصنوعی آکسیجن اور وینٹی لیٹر (Ventilator) پر رکھا ہوتا ہے۔اگر کافی کوشش کے باوجود بھی مریض کا دوبارہ زندگی کی طرف لوٹنا ناممکن ہو تو ایسی صورت میں اگر آکسیجن ہٹایا گیا اور مریض کی موت واقع ہوئی جو پہلے ہی مر چکا ہوتا ہے تو اس صورت میں یہ آسان موت یا Euthanasia میں شمار نہیں ہوگا۔جس سے ڈاکٹر بری الذمہ ہوگا۔

۵۔ انتقالِ خون (Blood Transfusion):

موجودہ دور میں سرجری کے دوران یا خون کے من جملہ امراض کے وقت ایک صحت مند انسان کے جسم کا خون دوسرے مریض انسان کے جسم میں منتقل کرتے ہیں۔اس لیئے بحیثیت مسلمان ان مسائل کے جواز کی نشان دہی بھی ضروری ہے۔ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ (۳۲۳)''ہاں جو شخص مجبوری کی حالت میں ہو اور ان میں سے کوئی چیز کھالے اس کے بغیر کہ وہ قانون شکنی کا ارادہ رکھتا ہو یا ضرورت کی حد سے تجاوز کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔''

اسی بنا پر انتقالِ خون کے متعلق شریعت اسلامیہ نے کچھ حدود اور قیود کے ساتھ اجازت دے رکھی ہے جس کا خیال ہر مسلمان کے لیئے رکھنا ضروری ہے۔چونکہ انتقالِ خون سے کوئی بھی رشتہ متاثر نہیں ہوتا۔میاں بیوی، اپنے پرائے ہر کوئی ایک دوسرے کو خون عطیہ کر سکتے ہیں۔لیکن ساتھ ہی اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ خون اس وقت کسی مریض کو دیا جائے کہ وہ سخت ضرورت میں ہو اور نہ دینے میں اس کی ہلاکت کا خطرہ ہو یا ہلاکت کا خطرہ تو نہ ہو لیکن ڈاکٹر کی نظر میں خون دیے بغیر مریض کا صحت مند ہونا مشکل ہو۔اس لیئے ضروری ہے کہ ڈاکٹر ان امور اور مسائل کا خیال رکھ کر علاج کریں۔(۳۲۴)

۶۔ اعضاء کی پیوندکاری اور انتقالِ اعضاء: Ethical Issues in Organ Transplantation

میڈیکل سائنسز کی حیرت انگیز ترقی نے اعضاء کی پیوندکاری میں عجیب وغریب کرشمے دکھلائے ہیں۔ایک انسان کا اگر کوئی عضو بے کار ہو جائے تو وہ کئی طریقوں سے اس عضو کو بذریعہ سرجری لگا کر درست کرتے ہیں۔یعنی کسی کی آنکھ ،کسی کے پھیپھڑے، گردہ اور کسی کی ہڈی کی پیوندکاری کی جاتی ہے۔بظاہر تو یہ ایک مفید کام ہے لیکن کام اس وقت مفید کہلاتا ہے کہ

جب اس میں انسانی، مذہبی، شخصی اور قومی نقصان اور حدود اللہ سے تجاوز نہ ہو۔ اگر دیکھا جائے تو انسانی اعضاء کی پیوند کاری چار طرح سے کی جاتی ہے:

۱۔ انسانی اعضاء کی پیوند کاری کسی جمادات یا نباتات کی مدد سے کی جاتی ہے۔

۲۔ انسانی اعضاء کی پیوند کاری کا دوسرا طریقہ حیوانات کے اعضاء کو کانٹ چھانٹ کر استعمال میں لایا جاتا ہے۔

۳۔ تندرست انسان کے اعضاء سے دوسرے مریض انسان کے اعضاء کا علاج کرایا جاتا ہے۔

۴۔ مردہ انسان سے اعضاء کا حصول اور پیوند کاری۔

جمادات سے سرجری کا جواز تو ہمیں ایک صحابی عرفجہؓ بن اسعد کی ناک کی سرجری کے بارے میں حضور پاک ﷺ کے فرمان سے ملتا ہے کہ اُسے سونے کی ناک بنانے کی اجازت ملی تھی۔ اس حدیث شریف کی رو سے موجودہ زمانے میں مصنوعی آنکھ، دانت یا ہڈی فریکچر میں سٹیل راڈ لگانے کا جواز ملتا ہے۔

دوسری قسم جس میں حیوانات کے اعضاء کے استعمال کے بارے میں قرآن پاک میں سورہ الجاثیۃ کی اس آیت سے جواز ملتا ہے: **وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً مِّنْهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ** (۳۲۵): اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے (حکم) سے تمہارے (لیئے مسخر) کام میں لگا دیا جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لئے اس میں (قدرتِ الٰہی کی) نشانیاں ہیں۔

جس طرح حلال جانور کا گوشت استعمال کیا جاتا ہے، ضرورت پڑنے پر ہڈیاں بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ جہاں تک تیسری صورت کا تعلق ہے یعنی کسی انسان کے عضو سے دوسرے انسان کے بیمار عضو کا علاج کرنا۔ شریعت اسلامیہ نے اس کے لیئے کافی حدود اور قیود مقرر کی ہیں۔ انسانی جسم اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، اسکو ضائع نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح کسی مجبور انسان کو صرف اپنے فائدے کے لیئے استعمال نہیں کر سکتا۔ کسی انسان کے عضو کی پیوند کاری کے لیئے ضروری ہے کہ شریعت کے ان اصولوں پر عمل کریں۔ اعضاءِ انسانی کی پیوند کاری کے لیئے جو طبی طریقہ ایجاد ہوا ہے، اس میں توہینِ انسانیت نہ ہو۔

اس لیئے یہ جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ اسکا مقصود کسی مریض کی جان بچانا ہو۔ یا کسی اہم جسمانی منفعت کو لوٹانا ہو جیسے بینائی۔ سپیشلسٹ ڈاکٹر نے اس بات کا یقین دلایا ہو کہ صحت کا غالب گمان ہے۔ غیر مسلم کے اعضاء بھی بحالتِ مجبوری کہ کوئی اور انتظام نہ ہو سکتا ہو، لگانا جائز ہے۔

مردہ شخص کے جسم سے عضو صرف اس صورت میں لیا جا سکتا ہے کہ زندگی میں اس نے خود دینے کی اجازت دے رکھی ہو۔ زندہ شخص کا عضو حاصل کیا جا رہا ہو تو اس کی اجازت اور ڈاکٹر کی اس بات کی تصدیق کہ عضو دینے والے کی صحت پر برا اثر یا جان جانے کا اندیشہ نہیں ہوگا۔ تو صرف ان اصولوں کی بنیاد پر کسی انسان کے جسم کا عضو دوسرے انسان کو لگایا جا سکتا ہے۔

ان اصولوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی اعضاء کی خرید و فروخت حرام اور غیر قانونی ہے۔ اس میں یہ بات بھی اہم ہے کہ عضو دینے والا اور لینے والا دونوں کا مقصد صرف انسانی جان بچانا ہو یہی حکم گردوں کے لئے بھی ہے۔

ان صورتوں میں تکریمِ انسانیت کو مدنظر رکھ کر شدید ضرورت کے تحت اس طرح کی سرجری کی اجازت دی جاتی ہے۔ ساتھ ہی شریعت نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ اس میدان میں تحقیق جاری رکھی جائے تا کہ مصنوعی طریقے سے کسی معذور مریض کا علاج ممکن بنایا جا سکے تا کہ براہِ راست ایک صحت مند انسان متاثر کیے بغیر علاج ممکن ہو سکے۔(۳۲۶)

۷۔ پوسٹ مارٹم (Post-Mortem):

پوسٹ مارٹم انگریزی زبان کا لفظ ہے جس سے کسی مردہ جسم پر موت کے اسباب، حالات اور کیفیات معلوم کیے جاتے ہیں کہ مردہ جسم کی موت فطری ہے یا غیر فطری، اگر غیر فطری ہے تو خودکشی کی ہے یا قتل ہے یا حادثاتی موت ہے۔

اسلامی نقطۂ نگاہ سے انسانی جسم کا احترام جس طرح زندہ ہونے کی حالت میں لازمی ہے اسی طرح فوت ہونے کے بعد بھی مردہ جسم زندہ جسم کی طرح قابلِ احترام ہے۔طبی تعلیم میں پوسٹ مارٹم دو وجوہات کی بنا پر کی جاتی ہے۔

۱۔ طبی تعلیم سے منسلک طالب علموں کو اس مردہ جسم پر تجرباتی تعلیم دی جاتی ہے۔ یا

۲۔ کسی مقدمے میں حقیقت تک پہنچنے کے لیئے انسانی جسم کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ موت کے اسباب کیا ہیں؟

اگر خودکشی ہے تو اس کا سبب دماغی تناؤ یا ٹارچر و اذیت ہے یا کوئی اور وجہ ہو اور ساتھ ہی یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ قتل کے لیئے استعمال کیا گیا زہر یا گیس یا ہتھیار کس قسم کا تھا۔اسی بنا پر شریعت نے اسلامی حدود میں رہتے ہوئے اور لاش کی بے حرمتی سے بچنے کے لیئے اصول وضع کر کے پوسٹ مارٹم کی اجازت دے رکھی ہے۔(۳۲۷)

۸۔ میڈیکل پریکٹس میں انسان اور جانوروں کے خلیات Tissues سے متعلق طبی تحقیق سے پیدا شدہ خطرات اور اسلامی تصورات: Medical Practice / Medical Risks and Islamic Concepts:

میڈیکل سائنس کے باقی شعبوں نے موجودہ دور میں جس طرح ترقی کی ہے اسی طرح جینیٹک انجینئیرنگ (Genetic Engineering) نے بھی کافی حد تک منازل طے کیے ہیں۔اس میں شاید بہت سارے تجربات سے انسان نے استفادہ کیا ہوگا لیکن ساتھ ہی اسی شعبے کے مختلف تحقیقات سے انسانی، مذہبی اور معاشرتی مسائل نے بھی جنم لیا ہے ۔جس میں مختلف جسمانی امراض، وراثت، رشتوں میں اختلاط اور بھائی چارے جیسے مسائل پیدا کیے ہیں۔

اس جدید ترقی نے جہاں ایک طرف کچھ منازل طے کیے ہیں تو دوسری طرف بہت سارے فقہی مسائل بھی پیدا کیے ہیں جیسے ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعے بچے پیدا کرنا۔اگر ایک طرف یہ اولاد سے محروم لوگوں کے لیئے امید کی ایک کرن ہے لیکن دوسری طرف اجنبی مرد و عورت کے مادہ کا اختلاط، جو کہ ناجائز ہے اس طرح طریقہ علاج کی وجہ سے حسب نسب اور رشتوں اور وراثت کے مسائل نے بھی جنم لیا ہے۔ٹیسٹ ٹیوب کی مدد سے بچے کی پیدائش بچوں سے محروم افراد کے لیئے دراصل ایک ذریعہ علاج ہے۔تاہم یہ علاج کرتے وقت شرعی احکامات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔واضح رہے کہ ممنوعات کو صرف اس وقت جائز رکھا گیا ہے جب وہ شریعتِ اسلامی کے ساتھ متصادم نہ ہو۔اس میں بھی اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ کلوننگ یا ٹیسٹ ٹیوب کے تجربات یا طریقہ علاج میں انسانیت اور مذہب کا نقصان نہ ہو۔

حوالہ جات

القرآن الحکیم۔

1: تقی عثمانی،مولانا،علوم القرآن (کراچی،ادارۃ المعارف،۲۰۰۳) : ۲۵

2: سورۃ المائدہ:۳

3: سورۃ الانبیاء:۲۲

4: سورۃ البقرہ:۱۶۳

5: سورۃ الاخلاص:۴۔۱

6: سورۃ الشوری:۱۱

7: سورۃ الفاتحہ: ۵

8: سورۃ البقرۃ:۱۰۷

9: سورۃ ابراھیم:۲۷

10: سورۃ الملک:۳

11: سورۃ یٰس:۴۰

12: سورۃ آل عمران:۱۹۰

13: سورۃ الطّور:۳۶۔۳۵

14: سورۃ الانعام:۶۵۔۶۴

15: سورۃ النحل:۳۶

16: سورۃ محمد:۳۳

17: سورۃ الانفال:۱

18: سورۃ الاحزاب:۳۶

19: سورۃ النور:۶۳

20: سورۃ الاعراف:۱۵۸

21: بخاری شریف،کتاب ایمان رقم الحدیث:۱۵

22: سورۃ الحجرات:۳۔۱

23: سورۃ الاحزاب:۵۶

24: پروفیسر ڈاکٹر محمد حفیظ اللہ،قلب منیب، ص:۶۵

25: سورۃ الانفطار:۱۴۔۱۳

26: سورۃ القارعۃ:۷۔۶

27: سورۃ الاسراء:۴۹

28: سورۃ العنکبوت:۱۹

29: سورۃ یٰس:۷۹

30: سورۃ الجاثیۃ:۲۶

31: سورۃ المؤمنون:۱۱۵

32: سورۃ الذاریات:۵۶

33: مسلم بن حجاج القشیری، امام، الجامع الصحیح کتاب الایمان

34: اصلاحی، مولانا محمد یوسف، قرآنی تعلیمات (لاہور، ادارہ اسلامیات):۱:۲۴۳

35: سورۃ البقرہ:۲۷۷

36: سورۃ الاعراف:۱۷۰

37: مسند احمد، ۲۳۸/۵

38: صحیح مسلم، کتاب الایمان باب اطلاق اسم الکفر

39: سورۃ المدثر:۴۲

40: سورۃ المدثر:۴۳

41: اصلاحی، مولانا، صدرالدین، اسلام ایک نظر میں (لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۲۰۰۵)۷۷

42: سورۃ طہ:۱۴

43: صحیح مسلم کتاب الصلاۃ باب مایقول فی الرکوع

44: صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب المصلی یناجی ربہ

45: شاہ ولی اللہ، امام، حجۃ اللہ، البالغۃ مترجم سعید احمد پالن پوری، رحمۃ اللہ الواسعۃ (کراچی، زمزم پبلیکیشنز، ۲۰۰۶)۱:۴۰۷

46: مسلم شریف، باب فضل الجماعة، رقم الحديث ۱۴۷۸

47: بیہقی، السنن الکبریٰ، ج ۱، رقم الحديث، ۱۵۸

48 : سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ

49 : مسلم شریف، باب مشیء الی الصلوة، رقم الحديث، ۱۵۲۱

50: سورۃ البقرۃ:۲۷۷

51: سورۃ اللیل:۱۸۔۱۷

52: سورۃ التوبہ:۱۰۳

53: اسلام ایک نظر میں:۹۸

54: سورۃ المعارج:۲۴

55: سورۃ التوبہ:۴۱

56: سورۃ آل عمران:۹۲

57: رحمۃ اللہ الواسعۃ ۱:۴۷۷

58: اسلام ایک نظر میں:۱۱۲

59: سورۃ البقرۃ:۱۸۳

60: اسلام ایک نظر میں:۱۱۵

61: صحیح مسلم کتاب الصیام

62: شعب الایمان للبخاری:۳/۲۹۹

63: صحیح مسلم کتاب الصیام

64: شعب الایمان للبخاری:۳/۳۰۵

65: اسلام ایک نظر میں:۱۳۲

66: سورۃ البقرہ، آیت نمبر۱۷۴

67: مولانا یوسف لدھیانوی، آپ کے مسائل اور انکا حل:۳۵۰ جلد سوم

68: ڈاکٹر نجیب الحق محمد یحیٰی، رمضان میں مریضوں کیلئے ہدایات شریعت اسلامی کی روشنی میں، ص:۲۶، اشاعت دوم

69: ایضاً

70: اشرف علی تھانوی، تحفہ رمضان، ص۴۰، ۴۲

71: رمضان میں مریضوں کیلئے ہدایات شریعت اسلامی کی روشنی میں، ص۴۰

72: تحفہ رمضان، ص:۴۱

73: ڈاکٹر عبدالعزیز ضیاء، ماہ رمضان کی فضیلت اور روزے کے طبی مسائل میں رہنمائی، ص ۹

74: اسلام ایک نظر میں۔ص۔۱۵۲

75: سورۃ آل عمران:۹۷

76: مسند الدارمی باب من مات ولم یحج

77: صحیح مسلم، کتاب الحج

78: سورۃ البقرہ:۱۲۷

79: سورۃ الحج:۲۷

80: سورۃ آل عمران:۹۶

81: سورۃ البقرہ:۱۲۹

82: اسلام ایک نظر میں:۱۵۲

83: مسند احمد، مسند الکوفیین، حدیث عبدالرحمٰن بن عمر

84: اسلام ایک نظر میں:۱۵۲

85: اسرار احمد، ڈاکٹر، منتخب نصاب، مرتب، حافظ عاکف سعید (لاہور انجمن خدام القرآن ۲۰۵) ج ا حصہ سوم

86: ایضاً

87: ایضاً

88: سورۃ المائدہ:۸

89: الجہاد فی السلام:۲۲۴

90: ایضاً

91: الجہاد فی السلام:۲۲۴

92: ایضاً

93: سورۃ الدھر:۸

94: صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب فکاک الاسیر

95: سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۱۹۵

96: صحیح المسلم، حدیث نمبر ۲۲۳۱

97: ایضاً، ۲۲۱۹ باب اجتناب المجذوم ونحوہ

98: ایضاً، ۲۲۱۹

99: صحیح البخاری، حدیث نمبر ۱۶۳۵

100: صحیح المسلم، حدیث نمبر ۶۹۷

101: الحاکم المستدرك، (۱/۳۷۳)

102: صحیح البخاری، کتاب الطب، حدیث نمبر ۵۷۲۸

103: سنن النسائی، کتاب الطب، رقم الحدیث ۳۵۱۸

104: الجامع الترمذی، باب ماجاء فی جامع الدعوات، رقم الحدیث ۳۳۸۸

105: شفاء العلوم، ص ۲۲۳، درود نمبر ۱۴۴

106: المعجم الکبیر، حدیث نمبر ۱۳۴۶

107: کاظم ذوالفقار، ڈاکٹر، انسائیکلوپیڈیا، ازدواج مطہرات وصحابیات (بیت العلم، لاہور) صفحہ نمبر ۶۰۵۔۶۰۳

108: حجۃ اللہ البالغہ: ۱۔۵۷

109: سیوہاروی، مولانا حفظ الرحمٰن، اخلاق اور فلسفہ اخلاق (لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۷۶ء): ۱۲

110: ایضاً

111: غازی محمود احمد، محاضرات شریعت (لاہور، الفیصل ناشران ۲۰۰۹) ۲۰۰۔۱۶۶

112: صحیح ابن حبان کتاب الرقاق باب الادعیۃ

113: محاضرات شریعت: ۱۸۰

114: المعجم الکبیر للطبرانی ۲۰/۳۵۵

115: الحاکم المستدرک علی الصحیحین کتاب البیوع ۶/۲۱۵

116: الجامع الترمذی، باب ماجاء فی قول معروف

117: الخیاط، محمد ھیثم، ماحول کی صحت اسلام کے تناظر میں (عالمی ادارہ صحت علاقائی دفتر برائے مشرقی بحر روم ۱۹۹۷، ۳)

118: الجامع الترمذی، باب ماجاء فی قول معروف

119: سورۃ المائدہ: ۳۲

120: سورۃ الفرقان: ۶۸

121: سورۃ الانعام: ۱۵۱

122: صحیح البخاری کتاب الدیات باب قول اللہ تعالیٰ ومن احیاھا

123: صحیح البخاری، کتاب الدیات باب قول اللہ تعالیٰ ومن یقتل مؤمنا

124: سنن الترمذی، کتاب الصلاۃ باب ماجاء ان اول مایحاسب

125: سورۃ النساء: ۲۹

126: سورۃ البقرہ: ۱۹۵

127: سورۃ الشعراء: ۸۰

128: سورۃ آل عمران: ۴۹

129: خان، محمد اقبال، طبی خدمات، چند تجاویز (اسلام آباد دعوہ اکیڈمی، ۲۰۰۱): ۹

130: نذیر احمد حافظ، طب نبوی ﷺ (لاہور، مسلم اکیڈمی) ۱۸

131: ابن القیم، امام، شمس الدین، طب نبوی ﷺ: ۲۷۹

132: الجامع الترمذی کتاب الدعوات

133: سنن ابی داؤد کتاب الادب باب مایقول اذا اصبح

134: المعجم الکبیر للطبرانی، ۲۹۳/۱۹

135: شعب الایمان ۱۲۷/۵

136: بخاری شریف، کتاب الطب صفحہ ۲۸۱ حدیث نمبر ۱

137: ایضاً باب الحمیٰ حدیث نمبر ۲۸

138: ایضاً کتاب الطب صفحہ ۲۸۳ حدیث نمبر ۵۶۸۲

139: ایضاً کتاب السواک باب الوضوء

140: طب نبوی ﷺ حافظ نذیر احمد: ۳۱

141: سنن الدارمی کتاب الطہارۃ باب التستر عند الحاجۃ

142: المعجم الکبیر للطبرانی ۳۸/۲

143: عمری، سید جلال الدین، اسلام میں خدمت خلق کا تصور (کراچی اسلامک ریسرچ اکیڈمی، ۲۰۰۵) ۲۱

144: اس باب کی تیاری میں ڈاکٹر غلام قادر، لون، کی کتاب قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کے سائنسی کارنامے (مکتبہ خلیل لاہور) کے چار ابواب یعنی طب، نباتیات، علم الکیمیا اور طبیعات سے مدد لی گئی ہے۔ اس موضوع پر ڈاکٹر فواد سیزگین کی کتاب ''تاریخ علوم میں تہذیب اسلامی کا مقام'' میں بھی کافی مواد موجود ہے۔ ڈاکٹر خورشید رضوی نے اس کا ترجمہ کیا ہے، جب کہ ادارہ تحقیقات اسلامی نے اس کو شائع کیا ہے۔

145: عباسی، عبدالحمید خان، اصول تحقیق، صفحہ نمبر ۹۰

146: سورۃ العمران، آیت نمبر ۱۹۰۔۱۹۱

147۔ سورۃ فصلیت، آیت نمبر ۵۳

148۔ سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۶

149۔ سورۃ الحجرات، آیت نمبر ۶

150۔ غلام جیلانی برق، دو قرآن، سن، اکبر امین پرنٹرز، لاہور، ص ۱۳

151۔ مسلم، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب السالم، باب لکل دار دوار واستحباب التداوی

152۔ ابن قیم الجوزی، طب نبوی اردو (شمع بک ایجنسی، لاہور) ص۱۳
153۔خالد غزنوی ڈاکٹر علاج نبوی اور جدید سائنس پیٹ کی بیماریاں، الفیصل پبلشرز، لاہور ۱۹۹۶
154۔مفتی محمد وصی بٹ، رسول اللہ کا طرز علاج، ۲۰۱۸ پشاور میڈیکل کالج، پرائم فاؤنڈیشن پاکستان
155۔وھبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی والدلتہ (اردو ترجمہ ابرار حسین ومحمد یوسف تنولی)، ۲۰۱۲ء، دارالاشاعت، کراچی، ص۴۷۔۲۴۱)
156: نجیب الحق، شعبہ طب میں فیصلوں کے لئے ہدایات شریعت اسلامی کی روشنی میں، پرائم فاؤنڈیشن، پشاور، ص۱۳۔۱۵
157: سورۃ الرحمٰن :٦
158: طبعی خدمات۔ص۔۲۲
159: سورۃ النساء:۳٦
160: سورۃ البقرۃ:۲۱۵
161: سورۃ بنی اسرائیل:۲۴۔۲۳
162: صحیح مسلم، ابواب البر والصلۃ
163: صحیح البخاری، کتاب الادب
164: ایضاً
165: ایضاً
166: سنن الترمذی، ابواب البر والصلۃ
167: صحیح بخاری کتاب الادب
168: ایضاً
169: سورۃ الانعام:۱۵۱
170: سورۃ بنی اسرائیل:۳۱۔۳۰
171: سورۃ التکویر: ۹۔۷
172: سورۃ الاسراء:۳۱
173: سورۃ النحل:۵۹۔۵۸
174: سنن الترمذی، ابواب البر والصلۃ
175: سنن ابی داؤد، کتاب الادب
176: علوی خالد، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام (لاہور، الفیصل ناشران ۲۰۰۵): ۲۴۵

177: سورۃ البقرۃ:۱۲۹

178: مسند احمد رقم الحدیث:۲۳۲۹

179: سنن ابی داؤد رقم الحدیث:۸

180: سنن ابی داؤد رقم الحدیث:۳۳۷۔۳۳۶

181: سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۲۹

182: صحیح البخاری، کتاب الادب

183: سورۃ یوسف:۵۳

184: سورۃ القیامہ:۲

185: سورۃ الفجر:۲۷

186: جالندھری، فتح محمد خان، مولانا، فتح الحمید ترجمہ القرآن المجید (لاہور، تاج کمپنی لمیٹڈ)۹۳۸

187: سورۃ البقرۃ: ۲۶۹

188: سورۃ آل عمران:۱۶۴

189: سنن الترمذی کتاب البر والصلۃ باب ماجاء فی رحمۃ الناس

190: فروغ احمد، پروفیسر، قرآن اور تعمیر سیرۃ (لاہور، میٹرو پرنٹرز، ۲۰۰۹)۱۲۸

191: سورۃ المؤمنون:۱۱۵

192: صحیح البخاری کتاب الجمعۃ باب الجمعۃ فی القری والمدن

193: وحید الدین خان، مولانا، الربانیہ (لاہور م فضل سنز۔۱۹۹۴)۶۹

194: شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ ۵:۲۳۵

195: سورۃ الھود:۴۹

196: سورۃ الحج:۳۵

197: سورۃ الرعد:۲۲

198: سورۃ حم السجدہ:۳۵

199: صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب فی فضل الرفق

200: ایضاً

201: ایضاً

202: الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن ابوعیسیٰ، الجامع الترمذی، کتاب الزھد

203: سورۃ الجاثیہ:۳۷

204: سورۃ الفرقان:۶۳

205: مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن (لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ۲۰۰۰) ۳:۴۶۲

206: سنن الترمذی کتاب البر والصلۃ باب ماجاء ان المجالس بالامانۃ۔

207: سورۃ المؤمنون:۸

208: سیرۃ النبی ﷺ ۶:۲۰۰

209: سنن ابی داؤد کتاب الأدب

210: الجامع الترمذی، کتاب البر والصلۃ باب ماجاء فی الکبر

211: ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب الأدب باب الوقار

212: سورۃ النور:۲۳

213: سورۃ الشوریٰ:۳۷

214: سورۃ آل عمران:۱۳۳

215: سورۃ التوبہ:۱۲۸

216: سیرۃ النبی ۶/۲۰۹

217: سیرۃ النبی ﷺ ۶:۲۱۰

218: سورۃ النحل:۹۰

219: سورۃ یوسف:۱۰۰

220: سورۃ البقرہ:۱۹۵

221: سورۃ الزمر:۵۳

222: سورۃ حٰمٓ السجدۃ:۳۰

223: قرآن اور تعمیر سیرۃ:۳۹

224: سورۃ الرعد:۲۰

225: سورۃ النحل:۹۱

226: شعب الایمان ۹/۷۸

227: سیرۃ النبی ﷺ:۶:۲۲۰

228: سورۃ الحجرات:۱۳

229: ایضاً

230: تفہیم القرآن ۵:۹۶

231: شعب الایمان ۳۸۹/۴

232: سورۃ المائدہ:۲

233: محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن (کراچی، ادارہ المعارف ۱۹۸۱ء) ۳:۲۱

234: صحیح البخاری، کتاب الاداب باب ینہی عن التحاسد والتدابر

235: سنن ابی داؤد کتاب الأدب

236: سورۃ الفلق:۵

237: سیرۃ النبی ﷺ ۶:۳۴۹

238: صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والاداب بتحریم الغیبۃ

239: سورۃ الحجرات:۱۱۔۱۰

240: سنن ابی داؤد کتاب الادب باب ماجاء فی الغیبۃ

241: سیرۃ النبی ﷺ ۶:۲۹۷

242: سورۃ الحشر:۱۰

243: سورۃ الحجر:۴۷

244: سیرۃ النبی ﷺ، ۳۲۸/۶

245: ایضاً

246: سیرۃ النبی ﷺ ۶:۳۲۸

247: سورۃ آل عمران:۱۱۰

248: سورۃ العصر:۳

249: سنن ابی داؤد۔ کتاب الادب، باب افشاء اسلام

250: سیرۃ النبی ﷺ ۶:۳۶۵

251: صحیح البخاری کتاب المظالم والغصب باب: لایظلم المسلم المسلم

252: سورۃ البقرۃ:۸۳

253: صحیح البخاری کتاب الطب الکلام

254: صحیح المسلم کتاب الایمان

255: الجامع الترمذی باب ماجاء فی قول المعروف

256: الجامع الترمذی باب ماجاء فی حفظ اللسان

257: اخلاق وفلسفہ اخلاق :۵۲۱

258: سنن نسائی بحوالہ اخلاق وفلسفہ اخلاق :۵۲

259: صحیح البخاری بحوالہ سیرۃ النبی ﷺ، ۲۱۰/۶

260: سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الرحمۃ

261: سنن الترمذی کتاب الطب عن رسول اللہ ﷺ

262: سورۃ الاحزاب ۵۳

263: سنن ابی ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عیادۃ المرض

264: صحیح مسلم: کتاب البر والصلۃ، باب فضل عیادۃ المریض

265: صحیح البخاری۔ کتاب الطب، باب رقیۃ النبی ﷺ۔

266: صحیح مسلم کتاب الوصیۃ، باب الوصیۃ فی الثلث

267: ایضاً

268: ابوبکر احمد بن حسین البیہقی، شعب الایمان، فصل فی آداب العبادۃ

269: سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب الدعا للمریض عن العبادۃ

270: صحیح البخاری کتاب المناقب

271: سنن ابن ماجہ، کتاب الطب باب ماعوذ بہ النبی ﷺ۔

272: صحیح مسلم، کتاب الجنائز باب التلقین الموتی لا الہ الا اللہ۔

273: سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی التلقین

274: سورۃ البقرہ: ۱۵۶۔۱۵۵

275: سنن ابی داؤد بحوالہ اسلامی طبی اخلاقیات: ۵۴

276: طب نبوی ﷺ: حافظ نذیر احمد: ۴۷

277: سورۃ البقرہ: ۱۸۶

278: موطا امام مالک بحوالہ اسلامی طبی اخلاقیات: ۵۴

279: پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن، اسلامی طبی اخلاقیات (لاہور، پیپا پبلیکیشنز ۲۰۰۹): ۷۷

280: سنن ابی داؤد، کتاب الطب باب فی الأدویۃ المکرّوھۃ

281: طب نبوی ﷺ :ابن قیم:۲۰۲

282: ابن القیم،شمس الدین،طب نبوی ﷺ (لاہور،ادارہ مطبوعات سلیما ۲۰۰۴):۲۰۳

283: ایضاً

284: سنن الترمذی،کتاب الطب

285: سنن الترمذی،کتاب الطب

286: سورۃ العلق،۳۔۵

287: چشتی،سید اصغر علی،طلبہ کیلئے ضابطہ اخلاق (اسلام آباد دعوۃ اکیڈمی ۲۰۰۲)۱۱

288: ایضاً

289: ایضاً:۲۵

290: محمد بن یزید القزوینی،سنن ابن ماجہ،کتاب الطب باب من تطبب ولم یعلم منہ الطب

291: سلیمان بن اشعث،السجستانی،سنن ابی داؤد،کتاب الدیات

292: صحیح البخاری،کتاب الطب

293: ڈاکٹر محمد اقبال (،ایم ڈی آنرز،ایف۔آر۔سی۔ایس انگلینڈ ایف۔آر۔سی۔ایس،گلاسکو) نے ''طبی خدمات، چند تجاویز'' کے نام سے ایک رسالہ تحریر کیا ہے جسے دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد نے شائع کیا ہے موضوع کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر اس رسالہ سے متعلقہ مواد لیا گیا ہیں۔

294: سورۃ المائدہ:۸

295: السنن الکبری،کتاب الشہادت،باب التحفظ فی الشہادۃ والعلم بہا۔

296: سورۃ المومنون،آیت نمبر۵۱

297: سورۃ البقرۃ،آیت نمبر ۱۶۸

298: المعجم الاوسط الطبرانی،حدیث نمبر۵۰۲۶

299: سورۃ الذریات،آیت نمبر ۵۸

300: ایضاً،آیت نمبر۲۲

301: صحیح بخاری کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ،حدیث نمبر۲۰۷۲

302: مسند احمد، حدیث نمبر۶۶۵۲

303: صحیح ابن حبان حدیث نمبر ۱۰/۴۸

304: صحیح بخاری کتاب الایمان حدیث نمبر۵۲

305:سورۃ القصص، آیت نمبر ۷۷

306: صحیح ابن حبان، حدیث نمبر ۳۲۳۹

307: سورۃ التوبہ:۱۰۸

308: صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب فضل الوضوء

309: سورۃ النور:۳۱۔۳۰

310: صحیح مسلم کتاب الحیض باب تحریم النظر الی العورات

311: صحیح مسلم کتاب الادب باب نظر الفجاءۃ

312: سورۃ المائدہ:۷۹۔۷۸

313: ابوداؤد۔رقم الحدیث:۲۰۵۰

314:سورۃ الاسراء:۳۱

315: سورۃ البقرہ:۲۳۳

316:سورۃ التحریم:۶

317:صحیح مسلم۔کتاب العطایا۔رقم الحدیث:۴۱۸۱

318: امام غزالی۔احیائے علوم الدین۔ج ۲،ص ۵۲

319: سورۃ الروم، آیت نمبر ۴۱

320: سورۃ حم السجدہ، آیت نمبر ۲۱

321: ڈاکٹر غلام قادر مون، ماہنامہ ترجمان القرآن، ۲۰۲۰،ص ۴۱۔۵۰

322: صحیح بخاری، حدیث نمبر ۵۷۷۸

323: سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۱۷۳

324: عبدالرحمان السیوطی، الاشباہ والنظایر، ص ۸۴۰

325: سورۃ الجاثیہ، آیت نمبر ۱۳

326: خالد سیف اللہ الرحمان، فقہی مسائل، ص ۳۷۵، ۴۰۹

327: ایضاً، ص ۲۰۳